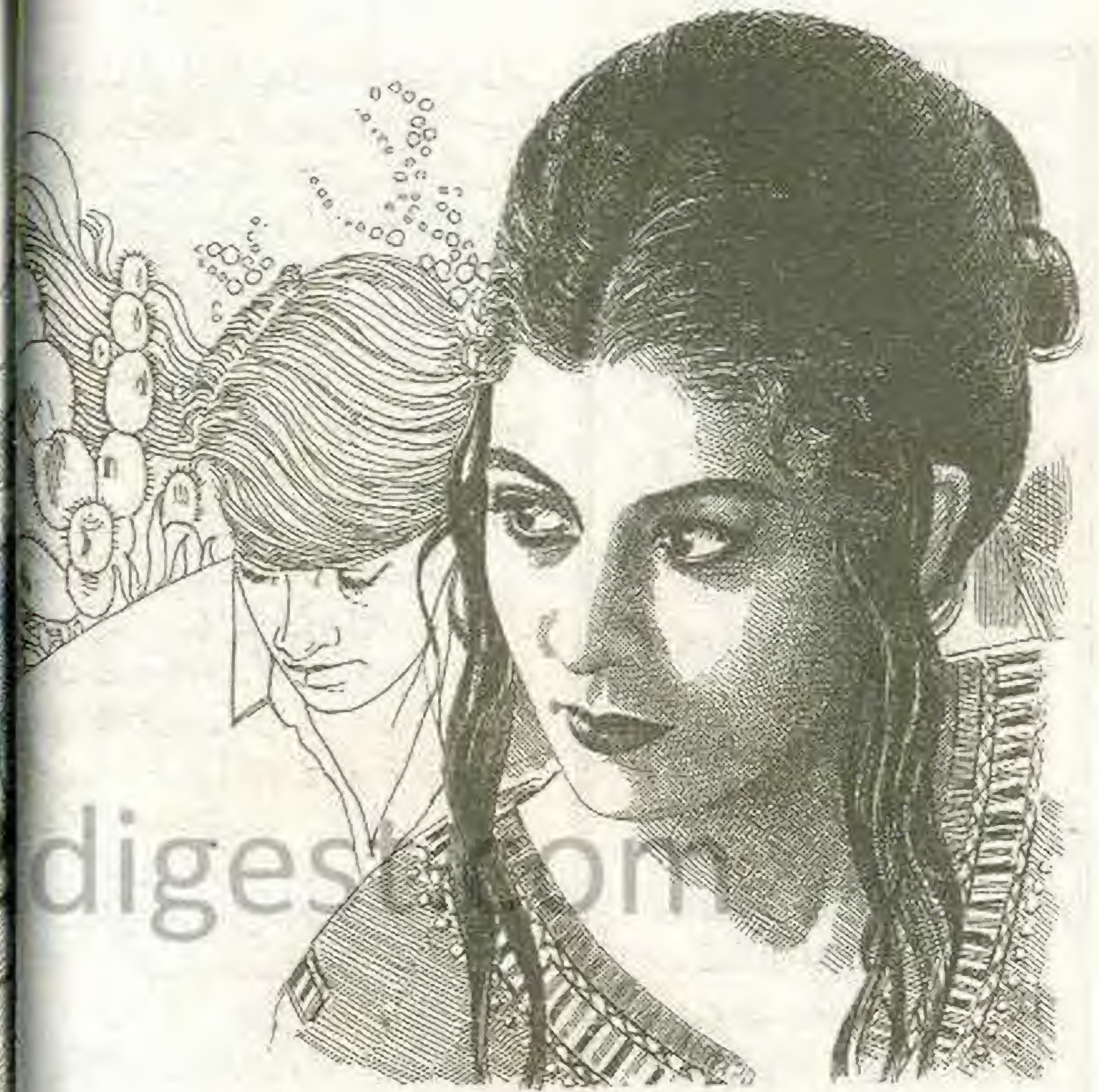
# محبت خواب اور تم

ناول



بشریٰ گوندل



ناولٹ

# محبت خواب اور تم

بشریٰ گوندل

''مجھے تمہاری سوچ پر بہت افسوس ہوا ہے زویا.....!'' فانی نے نہایت غصے میں ڈائجسٹ اس کے سامنے پٹختے ہوئے ایک سلگتی نگاہ زویا پر ڈالی۔ ''میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا..... میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنی خودغرض ہوگی۔''

''کیا ہوا ہے تمہیں فانی، کچھ پتا بھی تو چلے آخر ہوا کیا ہے اور تم کیوں اتنا تپے ہوئے ہو.....'' زویا نے گھور کے اس سے پوچھا، اسی اثنا میں صدف

رسالہ اٹھا کر فکشن کے صفحات میں کھو چکی تھی۔

”مجھے یقین نہیں آتا کہ تمہاری سوچ اتنی چھوٹی ہے......!“ شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کی چٹکی بناتے ہوئے فانی بولا۔ وہ خاصا تپا ہوا تھا اور اسے غصے کے اظہار کے لیے مناسب الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے۔

”کیا بے ہودگی ہے فانی، کچھ منہ سے پھوٹو بھی تب نا......“ زویا کو غصہ ہی تو آ گیا۔

”اس ماہ کے سروے میں تمہارا انٹرویو شائع ہوا ہے، خود ہی اپنی سوچ کا پیمانہ دیکھ لو۔“ وہ زور سے دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

”پاگل...... خود تو جیسے افلاطون یا بقراط ہے نا، ہونہہ میری سوچ چھوٹی ہے۔“ وہ صدف سے رسالہ جھپٹ کر بھی بڑی دیر تک فانی کو کوستی رہی۔

”ہائیں......!“ صفحے پلٹتے ہوئے وہ ایک دم چیخی تھی کہ ساتھ بیٹھی صدف بھی اس کی دل دوز چیخ سے اچھل پڑی۔ ”صدف، واقعی اس ماہ کے سروے میں میرا انٹرویو شائع ہوا ہے تبھی تو یہ فانی کا بچہ جل کر خاک ہو گیا ہے۔“

پھر وہ دونوں سب بھول بھال کر انٹرویو پڑھنے میں مصروف ہو گئیں۔ یہ خالصتاً خواتین کا رسالہ تھا۔ جس میں غیر شادی شدہ لڑکیوں سے شادی کے متعلق سوالات کیے گئے تھے مثلاً پسند کی شادی ہونی چاہیے یا ارینج میرج؟ شوہر کیسا ہونا چاہیے؟ شوہر آفس سے آتے ہی پہلے اپنی اماں جان کو سلام کرے یا آپ کو؟ اور جوائنٹ فیملی سسٹم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے......؟ وغیرہ وغیرہ۔ زویا نے سب سوالوں کے ہلکے پھلکے پُرمزاح جواب دیے تھے جو کہ صدف کو بھی بہت پسند آئے لیکن آخری سوال کے جواب پر صدف کا ردِعمل بھی فانی سے مختلف نہیں تھا اور شاید اسی بات نے ہی فانی کا موڈ خراب کیا تھا۔ زویا نے دوٹوک، اٹل اور مدلل انداز میں جوائنٹ فیملی سسٹم کی نفی کرتے ہوئے چیدہ چیدہ خامیاں اور خرابیاں گنوائیں اور اس سسٹم کی بھرپور انداز میں مخالفت کی تھی۔

”تم...... تم واقعی اس طرح سوچتی ہو زویا......؟“

صدف ابھی تک بے یقین سی تھی۔ جیسے وہ ابھی قہقہہ لگا کر اس بات کو جھٹلاتے ہوئے ”جسٹ جوک“ کہہ دے گی مگر وہ سنجیدہ تھی۔

”تمہیں اس بات پر شک ہے کیا......؟“ زویا نے پوچھا۔ ”صرف میں ہی نہیں بلکہ چند ایک کو چھوڑ کر تقریباً سبھی لڑکیاں ایسا ہی سوچتی ہیں۔ یہ سب لڑکیاں جو جوائنٹ فیملی سسٹم کو آئیڈیلائز کرنے کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں نا یہ صرف لفاظی ہوتی ہے دوسروں کی نظروں میں اچھا بننے کا وقتی ڈھونگ ورنہ تو دل سے سب یہی چاہتی ہیں کہ ان کا ایک چاہے چھوٹا ہی سہی اپنا گھر ہو جو بلاشرکتِ غیرے ان کا بس انہی کا ہو۔ جس میں وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ خوش و خرم رہ سکیں۔ کسی روک ٹوک، تنقید اور پابندی کے بغیر۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتی ہو، تمہارا ایسا دل نہیں کرتا۔“ صدف نے ایک افسوس بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

”جی نہیں، میں ایسا کوئی نہیں چاہتی، نہ ہی میرا اس طرح دل کرتا ہے۔ سب سے الگ تھلگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا لینے کو...... زویا، فانی ٹھیک ہی کہتا ہے۔ ڈونٹ مائنڈ تم واقعی خود غرض ہو کر سوچتی ہو۔“

”آئی ڈونٹ کیئر......“ اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔ ”کچھ بھی ہو، میں نے جھوٹ اور منافقت سے کام نہیں لیا بلکہ پوری سچائی کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ مجھے جوائنٹ فیملی سسٹم بالکل بھی پسند نہیں ہے۔“

”زویا! ہمارے گھر میں بھی تو برسوں سے یہ سسٹم رائج ہے اور میرا خیال ہے اس میں بظاہر کوئی برائی یا خرابی بھی نہیں ہے۔ سب اپنی اپنی جگہ خوش اور مطمئن ہیں۔ کسی کو کسی سے کوئی گلہ، شکایت نہیں ہے، ایک سوائے تمہارے۔“ صدف نے کہا۔

”ہائے فرینڈز......!“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی عائشہ کمرے میں جھانکتے ہوئے چہکی۔

”کہاں تھیں تم...... آج صبح سے تمہارا یہ منحوس چہرہ نظر ہی نہیں آیا۔“ صدف نے اس کی خبر لی۔

”ارے، تم لوگوں کو کیا پتا کہ اس من موہنے چہرے پر کتنے نثار ہیں اور ہر لمحہ، ہر پل دیدہ و دل فرشِ



راہ کیے ہوئے ہیں۔“ وہ اچھا خاصا اترائی۔

”شرم کرو تم......!“ زویا نے ٹوکا تو وہ خاصی برہم ہو گئی۔

”کیوں شرم ساری کی ساری میرے لیے رہ گئی ہے اور ان بے شرموں کو کوئی نہیں پوچھتا جو راہ سے گزرنے ہی نہیں دیتے۔ ابھی راستے میں آتے ہوئے ایک بابا جی مرتے مرتے بچے ہیں۔ ستر سال سے بھی اوپر ہی ہوں گے، عمر دیکھو اور کرتوت۔ یہ عمر اللہ اللہ کرنے کی ہوتی ہے یا لڑکیوں کو تاڑنے کی۔ میں نے بھی ذرا لحاظ نہیں کیا اور کہا...... بزرگو اپنی طبعی عمر پوری کر کے اب قبر میں ٹانگیں پھیلائے بیٹھے ہو کیوں خواہ مخواہ ایک قتل میرے کھاتے میں لکھواتے ہو، بلیو می، ایسی غلیظ نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ غصے سے میرا ایک پاؤ خون خشک ہو گیا۔ ان مردوں کو بھی بس اللہ ہی سمجھے۔“

عائشہ کو بغیر کوے اور فل اسٹاپ بولنے کی عادت تھی۔ وہ زویا اور صدف کی پھپھو زاد تھی وہ لوگ بھی اسی بلاک میں چند گھر چھوڑ کے رہتے تھے۔ عائشہ تو زیادہ تر انہی کے گھر میں ہی پائی جاتی تھی اور پھپھو کے لاڈلے علی اور زین بھی بیشتر وقت وہیں ڈیرا ڈالے ہوتے تھے اور پھپھو بھی روزانہ دن میں ایک آدھ چکر ضرور لگا تیں...... بقول زویا جیسے اگر وہ لوگ نہ آئے تو ہم نے کہیں اور شفٹ کر جانا ہے۔

تبھی تو ایک دن زویا نے بے حد جل کر زین سے کہا۔ ”تم سب لوگ یہیں ہمارے ہاں کیوں نہیں رہ جاتے، خاصی پرابلم ہوتی ہو گی آنے اور جانے میں۔“

”ہوں...... غور کیا جا سکتا ہے آپ کے اس پوائنٹ پر بلکہ میں آج ہی ماما سے اس سلسلے میں بات کر دوں گا۔“ زین انٹر کا اسٹوڈنٹ تھا فوراً بات کی تہ تک پہنچ جاتا، کوئی بات اگر طبعِ نازک پر گراں گزرتی تب بھی مائنڈ نہیں کرتا تھا۔

تایا جان نے بھی ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی میں اچھا خاصا اضافہ کیا تھا۔ صدف اور فانی کے علاوہ ان کے دو چھوٹے بیٹے تھے عبداللہ اور طلحہ جو پورے کے پورے شیطان کے چیلے تھے جبکہ چچا جان کی اولادوں

میں زویا کا پہلا نمبر تھا اور اس کے دو بھائی وقار اور حمزہ تھے۔ ایک تو اس گھر کو اللہ میاں نے اولادِ نرینہ بھی دل کھول کر عطا کی ہے۔ یہ سو فیصد زویا کی رائے تھی اور پتا نہیں ہارون چاچو ابھی تک کنوارے کیوں چلے آ رہے تھے، کوئی لڑکی ان کی نگاہ میں ٹھہرتی ہی نہیں تھی اور اگر بالفرضِ محال کوئی ان کے اعلیٰ ترین معیار پر پوری اترتی تو قسمت ساتھ نہ دیتی تھی سو ان کی زندگی فی الحال بے رنگ تھی اور ایسے ہی کسی جذبے سے مغلوب ہو کر اپنے علامہ اقبال صاحب فرما گئے ہیں، وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ، شکر ہے ہارون چاچو کی شادی نہیں ہوئی ورنہ اب تک بچوں کی لائن لگا چکے ہوتے۔ یہ زویا کی بدتمیزیاں تھیں۔

☆☆☆

اس روز صدف اور زویا لان میں کچھ نئے پودے لگا رہی تھیں اور گھر کے تمام بچے بھی وہیں موجود تھے۔

”کوئی یہاں پر لنگر نہیں تقسیم ہو رہا جو تم لوگ یوں مسکین صورتوں کے ساتھ کھڑے ہو اور نہ ہی مداری کا کوئی کرتب ہو رہا ہے کہ تم لوگ پلک نہیں جھپک رہے، چلو فوراً بھاگو یہاں سے۔“ زویا نے انہیں بھگانے کی اپنی سی کوشش کی مگر وہ اس کی ڈانٹ کو خاطر میں کہاں لاتے تھے سو ٹس سے مس نہ ہوئے۔ چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے حمزہ کا پاؤں لگنے سے خشک پرالی میں لپٹا گلاب کا پودا نکل گیا اور جڑوں کو ہوا لگ گئی تو زویا نے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

”کیا مصیبت ہے، اس گھر میں کوئی کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے جہاں جاؤ فوج پہلے سے وہاں موجود ہوتی ہے۔“ وہ رونے کے قریب تھی۔ بچوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور ایک ایک کر کے وہاں سے کھسک گئے۔

”ایک میری فرینڈ ہے جولی، دیکھا نہیں تم نے کیسے عیش سے رہتی ہے۔ اکلوتی ہونے کے باعث کس طرح نخرے اٹھائے جاتے ہیں اس کے۔ کوئی پابندی، روک ٹوک اور نہ کوئی ڈسٹربنس...... اور ایک ہمارا گھر ہے لگتا ہے ہر وقت کسی میلے میں آئے ہوئے ہیں۔ اوپر

سے اتنا ہنگامہ پرور اور دقیانوسی ماحول، کوئی پرائیویسی نہیں ہے۔ ایک قلم تک بندہ نہیں دیکھ سکتا۔ ہر وقت ان نونہالوں کے انٹر ہونے کا خطرہ جو موجود ہوتا ہے۔" وہ مسلسل بول رہی تھی جبکہ صدف آرام سے چپ چاپ کام نمٹانے میں مصروف تھی کیونکہ وہ اب اس کی اس قسم کے اقوالِ زریں کی عادی ہو چکی تھی۔

"بھلا یہ کوئی زندگی ہے صدف اور پھر بھی تم کہتی ہو کہ مجھے جوائنٹ فیملی سسٹم کے فیور میں بولنا چاہیے جہاں نہ دن اپنا ہوتا ہے اور نہ رات بلکہ زندگی کا کوئی پل بھی ہمارا اپنا نہیں ہوتا۔ ہمارے حصے کی زندگی بھی دوسرے لوگ ہی جی لیتے ہیں۔ میں اس پل پل محرومی دیتے سسٹم کی حمایت میں بولوں......نو، نیور......!" اور کھڑکی سے باہر کے دوسری جانب بلند قامت سرو کے درخت کو مضبوطی سے تھامے کھڑا فانی دم بخود سا تھا اور ماتھے پر شکنوں کا جال، جانے کیوں زویا کی ایسی باتوں سے وہ اندر تک اداس ہو جاتا تھا۔



"میں نے اماں جان کو کھانا دے دیا ہے، تم ایسا کرو زویا اور صدف جلدی سے ٹیبل پر کھانا لگاؤ اور سب بچے ہاتھ دھو کر آ جاؤ فوراً اور وقار تم ہارون چاچو کو بھی بلا لاؤ۔" امی ٹی وی لاؤنج میں سب کو ہدایات دیتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ صدف تیزی سے ان کے پیچھے چل دی اور بادلِ ناخواستہ زویا بھی۔

"فرحت بھابی، میرے لیے کھانا ڈرائنگ روم میں بھجوا دیجیے، میرے تین دوست بھی ہیں۔" جب کھانا لگ چکا اور سب بچے ہاتھ دھو کر ٹیبل کی طرف لپک رہے تھے تو ہارون چاچو نادر شاہی حکم سناتے چلے گئے اور فرحت نے بغیر ماتھے پر شکن ڈالے بلا چوں و چرا وہ کھانا اٹھا کر باہر بھیج دیا اور جو تھوڑا بہت بچا تھا وہ بچوں نے کھا لیا بلکہ بقول زویا کے چکھ لیا اور اپنی اپنی نشستیں چھوڑ دیں جبکہ زویا غصے سے لبالب بھری وہیں بیٹھی رہی۔ صدف، فرحت کے ساتھ دوبارہ کچن میں مصروف ہو چکی تھی۔

"ذرا پہلے بتا دیا ہوتا، اس افراتفری کی کیا ضرورت تھی۔" پلیٹ میز پر پٹختے ہوئے زویا بڑبڑا رہی تھی اس سے بھوک بالکل بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ تبھی فانی بھی ہاتھ دھو کر آ گیا۔ کرسی سنبھالتے ہوئے ٹیبل پر سجے خالی برتنوں کو دیکھ کر صورتِ حال سمجھتے ہوئے معنی خیز سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

"آج پھر چھاپا پڑ گیا ہے کیا؟" اس نے پوچھا مگر زویا کچھ نہ بولی۔ سخت غصے کے عالم میں اس سے کچھ بولا ہی نہیں جاتا تھا اور پھر یہ تو روز کا معمول تھا۔ اسے زیادہ غصہ تو اس بات پر آتا تھا کہ گھر کا تمام کام امی کے ذمے تھا۔ وہ سارا وقت کچن میں کھڑی ہوتیں گو کہ صدف بھی ان کا ہاتھ بٹایا کرتی تھی، امی زویا کو بھی ساتھ لگانے کی کوشش کرتیں مگر وہ سر جھٹک دیتی۔

"آپ کو کون سا اس خدمتِ خلق کا کوئی نوبل پرائز ملا ہے یا کبھی ملے گا۔" زویا چڑ کر کہتی۔ امی رسان سے تحمل سے اسے سمجھانے بیٹھ جاتیں۔

"بیٹی! مجھے سسرال میں مان، بھروسا، عزت ملی ہے۔ سب کی نگاہوں میں احترام ہے، سکھ اور سکون ہے جو عورت کو سرخرو کرتا ہے اور یہ بڑی بات ہوتی ہے پھر کسی انعام یا پرائز کا کیا لالچ اور پھر گھر کے رشتوں سے محبت اور ان سے وابستہ کام کسی انعام یا لالچ کے عوض نہیں کیے جاتے میری جان!"

"ہونہہ......" وہ جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔ "یہ گھر صرف آپ کا ہی تو نہیں ہے اور لوگ بھی تو ہیں۔" اس کا اشارہ واضح تھا، تائی جان کو نہ جانے کچن سے کیا الرجی تھی۔ مجال ہے جو کبھی جھانک کے بھی دیکھا ہو، ہمیشہ دور دور رہتی ہیں اور سارے کاموں کے لیے امی ہی فل ٹائم ملازم سمجھی جاتیں۔

"فرحت بیٹی میرے کمرے میں جالے لگ گئے ہیں، ذرا اپنی نگرانی میں صفائی کرانا۔" دادی جان کا حکم کان میں پڑتے ہی باقی تمام کام چھوڑ چھاڑ کر وہ فوراً ان کے کمرے کو چمکا دیا کرتیں۔

"سودا سلف ختم ہو گیا ہو تو لسٹ بنا دیجیے گا میں بازار جا رہا ہوں اور دھوبی کے کپڑے بھی دے دیجیے گا فرحت چچی۔" فانی پکارتا تو وہ اس طرف مڑ جاتیں، ویسے بھی اس گھر کے لیے سودا سلف بوریوں کی صورت آتا تھا۔

امی صبح سویرے بیدار ہوتیں، نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر کچن کا رخ کرتیں۔ صدف بھی ان کے ساتھ ہی کچن میں گھس جاتی جبکہ زویا نماز پڑھ کے نیند نہ آنے کے باوجود بھی دوبارہ کمبل میں گھس جاتی۔ امی دوپہر کے کھانے تک ناشتا بنانے میں مصروف رہتیں۔ ہر کسی کا مزاج دوسرے سے الگ تھا، کسی کو پراٹھے کی خواہش ہوتی تو کسی کو سینڈوچ کی، کسی کو سلائس کے ساتھ آملیٹ چاہیے تو کوئی دو دو فرائی انڈوں کی ضد کرنے لگتا۔ کسی کو کچن میں ناشتا کرنا ہوتا تو کوئی کمرے میں ناشتا منگوانے کو ترجیح دیتا اور اگر مہمان آئے ہوتے جو اکثر ہی رحمتوں کے ٹوکرے بھر بھر کے نازل رہتے تو پھر دیکھنے والے اس بھاگم دوڑ سے خاصے محظوظ ہو سکتے تھے۔ اسی طرح دوپہر میں بھی فرمائشی کھانوں کی کئی کئی ڈشز تیار ہوتیں، کسی کو میٹھا چاہیے تو کوئی دوسرا نمکین سے الرجک ہوتا اور زویا حیران ہی رہ جاتی کہ امی کس قدر خوش دلی سے ماتھے پر بل ڈالے بغیر ہر ایک کی فرمائش پوری کر دیا کرتیں۔ کبھی کبھی تو اس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو جاتا تو وہ بھڑک جاتی۔

"کیوں کرتی ہیں امی آپ اتنا زیادہ کام، ہر کسی کو منت کی توڑنے کا عادی بنا دیا ہے، دوسروں کے حصے کا کام بھی آپ نے اپنے ذمے لے لیا ہے، تائی جان بھی تو ہیں مجال ہے جو کسی کام کو ہاتھ تک لگائیں، تمام حقوق و فرائض آپ پر ہی لاگو ہیں کیا؟" اس لمحے امی کے شفیق چہرے پر دھیمی سی مسکان ٹھہر جاتی۔

"بیٹا! یہ سب کرنا پڑتا ہے ضروری بھی ہے اور مجبوری بھی۔ رشتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ تسبیح کے دانوں کی طرح باہم جوڑے رکھنا گو کہ مشکل ہوتا ہے مگر ناممکن نہیں۔ میں جب بیاہ کر اس گھر میں آئی تو اماں جان فاخرہ بھابی کی سرد مہری و لاتعلقی سے دلبرداشتہ ہو چکی تھیں پھر گھر کی چابیاں مجھے تھماتے ہوئے کہا تھا ........ "فرحت! اب یہ تمہارے ہاتھ میں ہے تم اگر چاہو تو اس گھر کو بکھرنے سے بچا سکتی ہو۔" اس وقت ان کے لہجے میں مان اور بھروسے کی جگہ محسوس کی جانے والی بے یقینی تھی پھر غیر محسوس طریقے سے میں نے گھر کی تمام ذمے داریاں سنبھال لیں۔ اب اگر میں اپنے فرض سے کوتاہی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ کھینچ لوں زویا تو اماں جان کا مان تو ٹوٹ ہی جائے گا مگر اس گھر کا شیرازہ بھی بکھر جائے گا اور میری عمر بھر کی ریاضت مٹی میں مل کر رائگاں ہو جائے گی۔ گھر کا سکھ اور سکون ختم ہو جائے گا اور فساد جنم لیں گے۔ گھر کی فضا کو پُرسکون رکھنے کے لیے یہ سب کرنا ضروری ہے زویا...... اور پھر اب تو صدف میری کافی مدد کر دیتی ہے۔"

"ہم لوگ الگ گھر لے کے بھی تو رہ سکتے ہیں ناں؟" کسی انجانے خیال سے اس کی آنکھوں میں جگنو سے اتر آئے اور جب یہی تجویز اس نے سرخوشی سے ابو کے سامنے رکھی تو وہ مسکرا کر ٹال گئے پھر انہوں نے بہت پیار سے سمجھاتے ہوئے یہ جتلا دیا کہ وہ جیتے جی اس گھر سے یا اپنے بھائیوں سے دور نہیں ہو سکتے اور پھر اماں جان کی موجودگی میں تو یہ اقدام انتہائی ناممکن ہے۔

"تو گویا دادی جان کے بعد......" اس کے ذہن میں کمینی سی سوچ نے سر اٹھایا تو لاحول ولاقوۃ پڑھتے ہوئے اس نے خود پر لعنت بھیجی۔ جب دیرینہ خواب پورا ہوتا نظر نہ آیا تو وہ جھنجلا گئی۔ اسے گھر کے ہر فرد سے نفرت ہونے لگی۔ اس شخص سے نفرت ہونے لگی جس نے سب سے پہلے جوائنٹ فیملی سسٹم کی بنیاد رکھی۔

"تم اپنے آپ کو جلانا چھوڑ کیوں نہیں دیتی ہو زویا؟" فانی اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے مشورے سے نوازتا اور اس لمحے وہ اس کا منہ نوچنے کی خواہش پر بڑی مشکل سے قابو پاتی۔



"زویا!" صدف نے پکارا۔

"ہوں۔"

"میں تمہاری وہ بلیک انجلی بریز ے کی شرٹ پہن لوں جس پر اسٹون لگے ہوئے ہیں؟"

"کیوں...... کس خوشی میں؟" زویا نے تیکھی نظر اس پر ڈالی۔







"تمہیں پتا تو ہے کل مائرہ کا برتھ ڈے ہے، میرے پاس کوئی اچھا سوٹ نہیں ہے اور جو ہیں وہ میں سب اس کے ہاں مختلف فنکشنز میں پہن چکی ہوں، اس لیے سوچا تمہارے پہن لوں گی۔"

"میں دوں گی تو پہنوں گی نا......!"

"اچھی بہن نہیں ہو۔" وہ باقاعدہ منتوں پر اتر آئی۔

"جی نہیں۔" وہ بے مروتی سے بولی۔ "میرے کپڑے کوئی فالتو نہیں ہوتے، پہلے عائشہ بھی ایسے ہی بلیک میل کر کے لے گئی تھی میرا پرپل نیٹ کا سوٹ، واپسی پر جس کے چیتھڑے ملے تھے۔ اسے پتا بھی تھا کہ اس کے اور میرے ناپ میں بہت فرق ہے اس کا حدود اربعہ دیکھ کر تو مشہور زمانہ ثقافتی کردار میں من کی دھوبن کا خیال آتا ہے۔"

"لیکن تمہارا اور میرا ناپ تو ایک ہی ہے نا......!" صدف ایک بار پھر منمنائی۔

"ہوا کرے۔"

"سنو......" ایک مدھم سی سرگوشی ابھری، کپڑے پریس کرتی صدف اور نہایت انہماک سے ڈائجسٹ کی ورق گردانی کرتی زویا نے چونک کر دیکھا، ادھ کھلے دروازے کی اوٹ سے فانی جھانک رہا تھا۔

"مووی دیکھو گی؟"

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں۔" فوراً استری کا پلگ نکالتے ہوئے صدف پلٹی۔

"یہ مہربانیاں ہیں کس سلسلے میں؟" زویا نے پوچھا۔

"یار عرصے بعد تو شاہ رخ خان کی اتنی زبردست مووی آئی ہے، ڈائیلاگز، ڈائریکشن، سونگز، ایکٹنگ سب بہت پرفیکٹ ہے، میں نے دیکھی۔ اچھی لگی، سوچا تم لوگوں کو بھی دکھا دی جائے۔ کیا یاد کرو گی۔" وی سی ڈی کا تار ٹی وی کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے وہ بولا۔

"تم اتنے سخی تو نہیں ہو فانی......!" زویا اب بھی بے یقین تھی۔

"وہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم فقیروں سے دوستی کر لو
گر سکھا دیں گے بادشاہی کے"

وہ اس کے روبرو کھڑا براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا، تبھی وقار کا دروازے سے اندر جھانکتا ہوا سر نظر آیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وقار نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" زویا بولی۔ "یہ فانی کو نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے شاعری سنانے چلا آیا۔"

"اس وقت شاعری......؟" وقار پورے کا پورا اندر چلا آیا۔

"ہاں، شاعر کو کسی بھی وقت آمد ہو سکتی ہے اور یہ تمہاری آمد کس سلسلے میں ہے؟" زویا نے اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

"میں، وہ، بس...... ویسے ہی۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ زویا اس کی کچھ کھوجتی متلاشی نگاہوں کا مفہوم بھانپ گئی تبھی قدرے سخت لہجے میں بولی۔

"وکی، تمہارے میٹرک کے ایگزامز ہونے والے ہیں اور تم ہو کہ سارا وقت اِدھر اُدھر تاکا جھانکی سے ہی فرصت نہیں ہے تمہیں۔ بری طرح فیل ہو جاؤ گے تم اگر اسی طرح جاسوس عورتوں کی طرح کن سوئیاں لیتے رہے تو...... چلو شاباش اپنا ہوم ورک کرو۔" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے باہر کی طرف اشارہ کیا اور وقار بادلِ ناخواستہ چل دیا۔ فانی نے فوراً وی سی ڈی ٹرالی پر سیٹ کر کے اس میں مووی لگا دی مگر ٹی وی آف ہی رہنے دیا۔

"دروازہ بند کر کے دیکھنا یہ نہ ہو کہ تمام بچہ پارٹی کو خبر ہو جائے۔" وہ انہیں وارننگ دے کر جانے لگا تو صدف بولی۔

"فانی بھائی آپ نے مووی اگر دکھانی تھی تو پہلے بتا دیا ہوتا ہم عائشہ کو بھی بلا لیتے۔"

"تو اب بلا لو، عائشہ کون سا دوسری دنیا میں رہتی ہے۔"

"اب، اس وقت رات کے پونے بارہ بجے،

بلانے کون جائے؟" زویا کو تشویش ہوئی۔
"وقار کو بھیجتے ہیں۔" صدف تقریباً اچھل پڑی۔
"نہیں، نہیں وقار کو بھیجنے کا مطلب ہوگا کہ پوری بچہ فوج کو اندر گھسا لیا جائے اور پوری مووی پر سنسر کی قینچی چلانا پڑے۔" زویا نے اس کی تجویز مسترد کر دی۔ عائشہ کے گھر کا فون خراب تھا اور بقول فانی اس کے سیل میں بیلنس نہیں تھا۔ دوسری گلی میں رہنے والی عائشہ اس وقت گویا میلوں کے فاصلے پر محسوس ہو رہی تھی۔
"چلو خود ہی چلتے ہیں، فانی بھائی آپ چلیں گے ہمارے ساتھ؟" صدف تو جیسے جانے کو تیار تھی۔
"بالکل بھی نہیں، میں تو اب سونے جا رہا ہوں۔" صاف انکار کرتا ہوا وہ باہر نکل گیا۔
"صدف چھوڑو، جاتے ہی نہیں ہیں۔ ویسے بھی حمزہ اور عبداللہ بتا رہے تھے کہ کرنل انکل کا کتا کاٹ لیتا ہے اور رات کو ہمیشہ وہ اسے کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور فانی کہہ رہا تھا کہ اگر کتا کاٹ لے تو پیٹ میں پورے چودہ انجکشن لگوانے پڑتے ہیں اور تمہیں پتا ہے مجھے تو کتوں سے ویسے بھی بڑا ڈر لگتا ہے۔" زویا نے جانے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔
"ہائے، عائشہ کے ساتھ دیکھتے تو زیادہ مزہ آتا.....!" صدف کی سوئی ابھی تک وہیں کی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ عائشہ کے بغیر کھانا بھی نہیں کھا سکتی تھی۔
"ہم چلے تو جاتے، آدھی رات کی بات نہیں، کتے کی بھی خیر ہے ہم کسی نہ کسی طرح اسے ہینڈل کر ہی لیتے مگر..... ابو اور تایا تو شاید درگزر کر جائیں اگر جو ہارون چاچو کی نظر پڑ گئی نا..... ان کی نظروں میں تو ویسے بھی ایکسرے مشین فٹ ہے۔ دوربین اور خوردبین کو بھی مات دے جاتی ہیں کبھی کبھی ان کی آنکھیں پھر میرا تو انتقال کر جانا یقینی ہے۔" زویا نے کہا۔
اچھے بھلے ہینڈسم اور اسمارٹ سے ہارون چاچو پتا نہیں ہر وقت ڈریکولا کیوں بنے رہتے تھے، صرف فانی کے ساتھ ان کی فرینڈ شپ تھی جس کی وجہ سے فانی اور بھی اکڑ جاتا تھا۔ باقی بچہ لوگوں کو تو وہ کسی گنتی میں شمار ہی نہیں کرتے تھے۔
"قسم لے لو جو میں نے ہارون چاچو کے بچوں کو پیار کیا یا بلایا بھی بلکہ جب بھی موقع ملا تا کھینچ کے تھپڑ لگانا ہے۔" زویا وعدہ کرتی اور فانی کا اس قبل از وقت انتقامی منصوبے پر بے ساختہ فلک شگاف قہقہہ چھوٹ جاتا۔
ابھی پچھلے دنوں ہی تو ہارون چاچو کی شکایت پر امی نے اسے سخت سنائی تھیں کہ بقول چاچو زویا اور صدف کے کمرے سے آتی بے ہنگم موسیقی کا شور اور ان کے بلند قہقہے انہیں ڈسٹرب کرتے ہیں اور ان کی طبع نازک پر گراں گزرتے ہیں۔
"لو، یہ بھلا کیا بات ہوئی کہ ہنسنے والی بات پر بندہ ہنسنا بھی چھوڑ دے۔ اب اس گھر میں ہنسنے بولنے پر بھی پابندی عائد ہوگی۔" امی کے منظر عام سے ہٹتے ہی زویا نے بھڑاس نکالی۔
"اسی لیے تو میں جوائنٹ فیملی سسٹم کے خلاف ہوں صدف ..... پرائیویسی تو دور کی بات، بندہ ہنس بول بھی نہیں سکتا اور خود موصوف جو ہر وقت سیڈ سونگز اور کلیجہ پھاڑنے والی غزلیں سن سن کر ہمیں بھی آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کرتے رہتے ہیں، ہم تو اس زیادتی پر کوئی احتجاجی مظاہرہ نہیں کرتے اور..... اور انہیں یہ مشورہ کس نے دیا ہے کہ وہ ہمارے برابر والے کمرے میں رہائش اختیار کریں۔" اس روز کے بعد صدف کے منع کرنے کے باوجود زویا نے ڈیک کا والیوم بڑھا دیا تھا اور چاچو کی ڈکٹیٹر طبیعت کے باعث ہی تو وہ لوگ ابھی تک کیبل کنکشن نہیں لگوا سکی تھیں بس کبھی کبھار فانی کی مہربانی سے کوئی ایک آدھ فلم دیکھنے کو مل جاتی تھی۔
"ہونہہ..... دنیا چاند سے ہو کر آئی ہے اور ہم لوگ ابھی تک وہیں کے وہیں ہیں، کنویں میں ٹرٹر کرنے والے۔" زویا بھڑاس نکالتی۔
"اچھا اب جلدی سے ٹی وی تو آن کرو۔" صدف خاصی ایکسائٹڈ ہو رہی تھی اور کیوں نہ ہوتی وہ آج بڑے دنوں کے بعد یوں الگ سے کوئی مووی دیکھ رہی تھیں ورنہ اس سے قبل تو ادھر کوئی فلم لگی اور ادھر بچوں کی فوج جمع اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی کافی سین



سنسر کرنے پڑتے اور زویا تو ایسے مواقع پر اکثر واک آؤٹ کر جاتی۔
"صدف مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا، اس میں فانی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔" زویا ابھی تک بے یقین سی تھی کیونکہ فانی ایسا سخی تو بہرحال نہیں تھا۔ فلم دیکھنا ہوتی یا اس کے ساتھ بازار تک یا کسی فرینڈ کے ہاں جانا ہوتا یا کوئی اور چیز چاہیے ہوتی تو وہ کئی کئی روز تک منتیں کرواتا تب کہیں جا کر مانتا، وہ بھی کئی شرطیں منوا کر۔ بادل ناخواستہ زویا نے ریموٹ تھام کر ٹی وی آن کر دیا اور ریموٹ سنبھال کر بیڈ پر آ بیٹھی۔
کچھ ہی دیر بعد کمرے سے ان دونوں کی دبی دبی وحشت زدہ چیخ ابھری اور کھڑکی کے قریب کھڑے فانی کو اپنا قہقہہ روکنا دشوار ہو گیا تو وہ فوراً کھڑکی سے ہٹ گیا۔
ٹی وی آف کرنے کے بعد بھی وہ دونوں بڑی دیر تک ایک دوسرے کو وحشت زدہ نظروں سے دیکھتی رہیں اور بہت دیر بعد جب حواس کچھ بحال ہوئے تو زویا نے صدف کی موجودگی کا خیال و لحاظ کیے بغیر فانی کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور خود کو بھی برابر کا قصور وار گردانا۔
"ہم ہی مووی دیکھنے کے شوق میں اس کی سابقہ کرم فرمائیاں بھول گئے تھے، وہ بیہودہ انسان ایک بار پھر ہمیں بے وقوف بنا گیا ہے، میری تو چھٹی حس چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی مگر تمہاری آنکھوں پر ہی بہناپے کا پردہ لٹک رہا تھا۔"
"تو تم نے اپنی چھٹی حس کی بات مان لی ہوتی نا.....!" صدف بھی خاصا برا مان گئی۔
"اگر یہ بھونڈا اور واہیات مذاق کرنا ہی تھا تو اس کے لیے سائنس فکشن کی یہ خوفناک اور دل دہلا دینے والی مووی ضروری تھی کیا..... پاکستانی کوئی سی بھی فلم لا دیتا۔"
"یہ بھی اردو ڈبنگ کے ساتھ ہے۔" صدف نے جلتی پر تیل ڈالا اور زویا کا دل چاہ رہا تھا کہ وی سی ڈی اٹھا کر دیوار پر دے مارے۔
دوسری صبح صدف نے کالج جانے سے انکار کر دیا تو زویا بھی نہ جانے کے ارادے سے دوبارہ کمبل میں گھس گئی مگر کچھ دیر بعد یہ سوچ کر تیار ہونے لگی کہ گھر میں پورا دن بور ہونے سے بہتر ہے کالج چلی جائے۔ گھر میں اس کا ویسے بھی دل کم کم ہی لگتا تھا۔ ابھی وہ کمرے سے نکلنے ہی والی تھی کہ فانی آ گیا۔ وہ اسے یکسر نظر انداز کر کے بیگ میں کتابیں رکھنے لگی۔
"ارے تم لوگوں نے بتایا ہی نہیں کہ فلم کیسی لگی؟" وہ شرارت سے پوچھ رہا تھا۔ وہ ایک دم پلٹی اور قہر برساتی نگاہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے تقریباً راستہ روکے فانی پر ڈالی جو مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ نئے سرے سے سلگ اٹھی۔
"تم جیسا ڈھیٹ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" دانت پیستے ہوئے اس نے کہا۔
"اور دیکھو گی بھی نہیں۔" وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ "اور بھی بے حساب خوبیاں ہیں کبھی فرصت میں بتاؤں گا اور..... بھی تو لوگ مرتے ہیں مجھ پر۔"
"یقیناً مر ہی جاتے ہوں گے خوف سے۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک سائیڈ سے ہو کر باہر نکل گئی اور غصے سے پیر پٹختی نوں نوں کرتی کچن میں ہی جا کر دم لیا۔ ناشتے کے نام پر صرف ایک گرما گرم چائے کا کپ اندر انڈیل کر جب وہ بمشکل بھاگ گیٹ تک پہنچی تو فانی بائیک لیے کھڑا تھا اور ہارون چاچو بھی قریب ہی تھے۔
"تمہاری وین تو نکل گئی ہے زویا۔" فانی نے اسے دیکھتے ہی اطلاع دی۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ بائیک نکلی نہیں نکالی گئی ہے۔ ہارون چاچو کی موجودگی کی وجہ سے اس نے مٹھیاں بھینچ کر غصہ ضبط کیا، ابھی وہ واپس پلٹنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ فانی کی آواز نے اس کے واپسی کا قصد کرتے پاؤں روکے۔
"چلو آؤ، میں تمہیں ڈراپ کر دوں، میں ویسے بھی اس طرف سے ہی جا رہا تھا۔" وہ بائیک اسٹارٹ کر کے اس کے قریب لے آیا۔ اس کا خون کھول رہا تھا، اس نے ایک آگ برساتی نگاہ اس کے متبسم چہرے پر ڈالی۔ اس کا جی چاہا وہ اس کے ساتھ بیٹھنے سے انکار

کرتے مگر ہارون چاچو کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں تھا۔ سو اس کی بات مانتے ہوئے وہ ایک فاصلہ رکھ کے اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ بائیک پوری رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

فانی سارا راستہ یونہی اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا۔ بور گفتگو، یونہی فضول سے موضوع...... مگر وہ ایک لفظ بھی نہ بولی اور کالج گیٹ کے سامنے بائیک کے رکتے ہی فوراً اتر گئی۔

''سنو......!'' پیچھے سے فانی نے دھیرے سے پکارا۔ یہ مدھم سی پکار اس کے قدموں سے لپٹ کر ست کر گئی۔ وہ پلٹ کر دیکھے بغیر رک گئی۔

''مجھے روٹھے ہوؤں کو منانا نہیں آتا۔'' اور جب اس نے بے اختیار گردن گھما کر دیکھا تو وہ بائیک موڑ کر جا چکا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر قدم کالج گیٹ کے اندر رکھ دیے۔

○○○

سردیوں کی شروعات ہو چکی تھی۔ رات کو اچھی خاصی خنکی ہو جاتی اور دن کو دھوپ سینکنے کی خواہش میں دھوپ کے پیچھے بھاگتے بھاگتے موسم سرما کا چھوٹا سا دن گزر جاتا۔

''ایک فریش نیوز سنو، عطیہ پھپھو مع فوج کے، میرا مطلب ہے مع فیملی یعنی اپنے چاروں بچوں سمیت آ رہی ہیں۔ بچے چونکہ موسم سرما کی تعطیلات گزارنے اپنے ننھیال آ رہے ہیں چنانچہ تمام حفاظتی اقدام کر لیے جائیں۔'' زویا نے کچن میں داخل ہوتے ہی ٹی وی لاؤنج سے سنی یہ خبر صدف کے گوش گزار کی۔

''اچھا کب تک آ رہے ہیں وہ لوگ؟'' صدف نے بے دھیانی میں پوچھا، وہ ہنوز روٹیاں پکانے میں مصروف تھی۔

''ابھی کنفرم نہیں ہوا۔''

''مگر وہ تو......'' بات کرتے کرتے صدف جھجک کر چپ ہو گئی۔

''ہاں، اسی سلسلے میں تو آ رہی ہیں۔ دادی جان نے کہا ہے کہ ڈلیوری یہیں پر ہو گی جیسے ہمارا گھر کوئی ڈلیوری سینٹر یا لیبر روم ہی تو ہے۔'' زویا نے اس کی مدھم سی آدھی ادھوری بات کی اچھی خاصی تشریح کر دی پھر بولی۔ ''میرا خیال ہے اس ملک کی نصف آبادی ہماری فیملی نے ہی بڑھائی ہے۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں...... چار بچے کیا کم تھے جو پھپھو پانچویں کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں میں پھپھو کو منے کی پیدائش پر بطور گفٹ چابی والا کیسٹ ضرور دوں گی۔ ہو سکتا ہے کچھ اثر ہو جائے۔''

''شرم کرو زویا......!'' صدف نے ہنسی ضبط کرتے کرتے اسے گھورا تو وہ خاموش ہو گئی۔

''ایک گلاس پانی مل سکتا ہے؟'' فانی نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''فریج کے پاس کھڑے ہو کر پانی مانگتے لوگ زہر لگتے ہیں مجھے۔'' سلاد کے لیے پیاز کاٹتی زویا نے کہا۔

''میں نے تم سے نہیں مانگا۔''

''میں نے بھی تمہیں نہیں کہا۔'' دوبدو جواب دے کر اس نے تیزی سے چھری چلائی۔ فانی نے گھور کر اسے دیکھا اور فریج سے بوتل نکال کر غٹاغٹ پینے لگا۔ پیاز کاٹتے ہوئے زویا کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔

''تم رو رہی ہو زویا؟'' فانی لہجے میں دنیا بھر کی تشویش و ہمدردی بھر کے اس کے قریب چلا آیا۔

''ہاں رو رہی ہوں پھر؟'' وہ ایک دم پلٹی، چھری کی نوک فانی سے صرف دو انچ کے فاصلے پر تھی۔

''روتی رہا کرو، اچھی لگتی ہو۔'' وہ کافی دیر تک براہِ راست اس کی روتی ہوئی آنکھوں میں دیکھتا رہا اور ایک دم گلاس کارنر پر پٹخ کر باہر نکل گیا۔

زویا کا دل چاہا وہ سچ مچ پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ آج امی کو فلو کے ساتھ ہلکا سا ٹمپریچر ہو گیا تھا۔ اس لیے صدف انہیں آرام کا مشورہ دے کر کچن میں چلی آئی اور زویا کو بھی مجبوراً اس کے ساتھ آنا پڑا۔ تبھی درجۂ حرارت بہت کم ہونے کے باوجود بھی وہ خاصی تپی ہوئی تھی۔ وہ سنک پر جھک گئی اور بڑی دیر تک ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی رہی تب کہیں جا کر دماغ ٹھنڈا ہوا۔



○○○

''صدف......!''

''ہوں۔''

''محسن نقوی نے ایسے مواقع پر کیا کہا ہے۔

گھر میں تم بھی رہا کرو محسن
گھر بناتے ہیں لوگ رہنے کو''

وہ کچن میں داخل ہوتے ہوئے علی کو دیکھ چکی تھی تبھی یہ شعر سنا ڈالا۔ صدف نے اسے تیز نگاہوں سے گھورا بھی مگر وہ علی کی آمد سے انجان بنی رہی۔

''آ ہا...... آج تو کچن میں خوشبوؤں کے ساتھ ساتھ بڑی رونقیں ہیں۔'' علی زویا کے شعر کا مطلب سمجھ کے بھی نظر انداز کر گیا۔

''کیا کچھ پکا ہے؟'' وہ دیگچیوں کے ڈھکن اٹھانے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ زویا نے روک دیا۔

''جب کسی کے گھر آتے ہیں تو سب سے پہلے گھر والوں کی خیریت دریافت کی جاتی ہے نہ کہ کھانے کی......''

''او، سوری۔'' وہ کان کھجاتے ہوئے شرمندگی سے بولا۔ ''ویسے تم دونوں تو مجھے ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہو اور باقی سب گھر والوں سے میں فرداً فرداً مل چکا ہوں پھر میں نے سوچا کہ کیوں نہ لگے ہاتھوں کچن والوں کے ساتھ کھانے کی خیریت دریافت کر لی جائے۔''

''کیا آپ کے اپنے گھر میں کچھ نہیں پکتا؟'' زویا کے بے ساختہ سوال پر وہ اسے گھور کے دیکھنے لگا اور دیگچیوں کی جانب بڑھتا اس کا ہاتھ رک گیا۔

''کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟'' صدف نے اسے زور کی چٹکی کاٹی مگر وہ باز آنے والوں میں سے کب تھی۔

''بڑے افسوس کی بات ہے، ہم تم لوگوں کی محبت میں ہر وقت دوڑے چلے آتے ہیں اور تم لوگ سمجھتے ہو کہ ہمارے گھر میں کچھ پکتا نہیں ہے اور ہم آپ لوگوں کے ہاں کھانے کے لیے چلے آتے ہیں۔'' علی نے سر جھکائے ہونٹ کاٹتی شرم سے تقریباً پانی پانی ہوتی صدف کے چہرے پر ایک نظر ڈالی جو شرم و خفت سے سرخ ہو رہا تھا۔

''اگر یہ بات ہے تو آئندہ نہیں آئیں گے یا کم از کم میں تو نہیں آؤں گا۔'' وہ صدف کے قریب سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا۔ تب زویا کو اپنی کہی بات کی سنگینی کا شدت سے احساس ہوا۔ کاش! منہ سے نکلے حروف واپس آ سکتے۔ اسی لیے تو لوگ کہتے ہیں کہ سوچ سمجھ کر اور سامنے والے کے مزاج کو مدِنظر رکھ کے بولنا چاہیے مگر اس کی تو عادت تھی وہ تو ہر کسی سے مذاق مذاق میں اسی طرح کی باتیں کہہ جاتی تھی اور کوئی بھی مائنڈ نہیں کرتا تھا کہ سب اس کی منہ پھٹ فطرت سے واقف تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ علی اس قدر مائنڈ کر جائے گا جبکہ علی کے برعکس زین کسی بات کا بالکل بھی برا نہیں مناتا تھا تقریباً ہر ویک اینڈ پر جب ان کی فیملی مدعو ہوتی تو شام کو سب لوگوں کے چلے جانے کے بعد بھی زین وہیں ٹہلتا نظر آتا تو زویا نہایت معصومیت سے پوچھتی۔

''زین، علی اور باقی لوگ کہاں ہیں؟'' وہ اپنی دانست میں اطلاع بہم پہنچاتا۔

''اچھا تمہیں نہیں لے گئے۔'' وہ کچھ اس انداز میں پوچھتی کہ وہ ہنس دیتا مگر علی...... علی اس قدر برا مان جائے گا ایک ذرا سے مذاق کا یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''اور اگر دادی جان کو پتا چل گیا کہ ان کے لاڈلے نواسے کے ساتھ...... اُف توبہ!'' وہ جھرجھری لے کر رہ گئی کہ دادی جان کو تو ویسے بھی اس کی زبان کے آگے خندق ہونے کا شبہ ہوتا تھا اور باقی سب لوگ بھی جو زویا کی بدتمیزیوں سے پہلے ہی خائف رہتے تھے انہی کے ہمنوا ہوتے اور یہی سوچ کے وہ علی کے پیچھے لپکی مگر وہ گیٹ پار کر چکا تھا جبکہ زین اور عائشہ وغیرہ ابھی تک یہیں پر تھے، لان میں موجود تمام نفوس دادی جان کے سمیت خوش باش چہروں سے اس نے اندازہ لگایا کہ علی جاتے جاتے کوئی پٹاخہ چھوڑ کر نہیں گیا۔ وہ بھی خاصی مطمئن ہو کر اس محفل کا حصہ بن گئی اور علی کو تقریباً

بھول گئی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ شام کو ہنستا، مسکراتا، خوش باش اور فریش چہرے کے ساتھ پھر نمودار ہوگا۔ اس کے دل سے رہے سہے خدشات بھی نکل گئے۔

تبھی ایک خبر اس کے کشیدہ اعصاب کو نارمل کر گئی کہ چھوٹی پھپھو نے کچھ ٹھوس وجوہ کی بنا پر یہاں آنے اور قیام کرنے کا پروگرام کچھ عرصے تک کے لیے ملتوی کر دیا ہے۔ اسے عطیہ پھپھو یا ان کے بچوں سے خدانخواستہ کوئی ذاتی پرخاش نہیں تھی۔ بس پھپھو کے بچوں کی بدتمیزیاں کبھی کبھی برداشت سے باہر ہو جاتی تھیں ان کے آتے ہی گھر کا نقشہ ہی بدل جاتا، یہی گھر کسی چلڈرن پارک کا نقشہ پیش کر رہا ہوتا اور پھر وہ اپنے ساتھ کتابوں سے لبالب بھاری بھرکم بیگ لانا ہرگز نہ بھولتے تھے اور آتے ہی پھپھو ڈیوٹی لگا دیتیں کہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر ان کے بچوں کو ٹیوشن پڑھائی جائے اور گرمیوں کی پوری کی پوری تعطیلات ان کو ٹیوشن پڑھاتے پڑھاتے بیت جاتیں۔

○○○

زویا بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ صدف کچھ الجھی الجھی سی ہے۔ کوئی بات اندر ہی اندر اس کے لیے باعث پریشانی ہے۔ بات کرتے کرتے اچانک کہیں کھو جاتی تھی۔ اچھی بھلی قہقہے لگاتی یوں ایک دم چپ کر جاتی جیسے گاڑی کے ٹائروں تلے اچانک اسپیڈ بریکر آ جائے۔ جب بھی زویا اس سے کوئی ٹاپک ڈسکس کرتی، کوئی بات شیئر کرتی تو اس کی عدم دلچسپی کے باعث خاموش ہو جاتی۔ کوئی لطیفہ سناتی تو اس کی گم صم نظر، ساکت ہونٹ، کھویا کھویا انداز دیکھ کر اسے لگتا جیسے اس نے کوئی جوک نہیں بلکہ کوئی افسوس ناک خبر سنائی ہو۔ وہ ایک دوسرے کی کزن ہونے کے علاوہ بہترین فرینڈز بھی تھیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کے درمیان کوئی راز منظور نہیں تھا۔ جب تک اپنے دل کی ہر ہر بات ایک دوسرے کے ساتھ شیئر نہ کر لیتیں، چین نہ پڑتا اگرچہ ان کے درمیان کوئی سیکرٹ نہیں تھا کوئی پردہ داری نہیں تھی پھر نہ جانے کیا بات تھی جو صدف کی پریشانی کا باعث تھی اور وہ زویا سے شیئر نہیں کر پا رہی تھی۔ سارا دن وہ بے چین و بے کل سی پورے گھر میں گھوما کرتی۔ ذرا ذرا سی آہٹ پر مڑتی اور ڈور بیل بجتے ہی اس کی خواہش ہوتی کہ وہ پہلے گیٹ پر پہنچے۔

”تمہارا کچھ کھو گیا ہے کیا؟“ زویا اس کی بے خواب آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھتی۔

”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ وہ تردید کرتے ہوئے کندھے اچکاتی اور فوراً منظر عام سے ہٹ جاتی، مبادا کوئی دل کا چور جان نہ لے مگر یہ آنکھیں...... یہ آنکھیں غدار ہوتی ہیں، دل کی کہانیاں ورق ورق کہہ دیتی ہیں۔

اس نے اپنا خیال رکھنا بھی بالکل چھوڑ دیا تھا، کئی کئی روز تک ایک ہی لباس میں پھرتی رہتی اور جب پھپھو کی فیملی آتی تو اس کی نگاہیں دیر تک اور دور تک ان کے عقب میں کچھ تلاش کرتی رہتیں۔ تب زویا ہونٹوں میں مسکراہٹ دبا کر اسے دیکھے جاتی اور اسے یاد آیا کہ علی کو ان کے ہاں آئے ہوئے کتنے ہی روز ہو گئے تھے جب سے وہ روٹھ کر گیا تھا نہیں آیا تھا ورنہ اس سے قبل تو اس نے اتنی لمبی غیر حاضری کبھی نہیں کی تھی۔

”گویا اب اسے منانا تو پڑے گا۔“ زویا نے دل ہی دل میں کہا۔

○○○

اس روز عائشہ افراتفری میں آئی، اسے بازار جانا تھا مگر زویا نے انکار کر دیا تو صدف اس کے ساتھ چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد زویا بھی گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ پھپھو کے گھر کی طرف تھا۔ وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو زین اسے لان میں ہی مل گیا۔ وہ گیند اور بیٹ لیے باہر نکل رہا تھا۔ وہ زویا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، ویسے بھی وہ بہت دنوں تو کیا بلکہ مہینوں کے بعد ان کے گھر آئی تھی۔ وہ وہیں لان میں بیٹھ گئی۔

”میں ابھی امی کو بتاتا ہوں زویا آپی!“ زین اسے وہاں بیٹھا چھوڑ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تبھی علی بھی مسکراتا ہوا وہیں چلا آیا اور زویا پر نگاہ پڑتے ہی چونک گیا۔

”اوہو...... آج تو بڑے لوگ آئے ہیں۔“



”علی بھائی، یہ سراسر آپ کی زیادتی ہے، آپ کے شاید علم میں نہیں ہے کہ خواتین بڑا کہنے سے مائنڈ بھی کر جاتی ہیں۔“ زین جاتے جاتے بولا تو علی کا قہقہہ بے ساختہ تھا، وہ بھی جھینپ کر مسکرا دی۔

”پھپھو کہاں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”امی نماز پڑھ رہی ہیں اور عائشہ غالباً آپ لوگوں کی طرف گئی ہے۔“ اس نے بتایا۔

”ہوں، عائشہ اور صدف دونوں بازار گئی ہیں، میرا موڈ نہیں ہو رہا تھا میں اس لیے نہیں گئی۔“ پھر کچھ توقف کے بعد بولی۔ ”علی، کیا بہت زیادہ خفا ہو......؟“

”نہیں تو، تمہیں کس نے کہا...... اور پھر میں کیوں خفا ہونے لگا تم سے......؟“

”وہ اس روز......“ وہ جھجکی اور ٹھہر گئی پھر بڑی مشکل سے جاتی ہمت کا سرا پکڑا، سامنے علی مسکراتی نظروں سے پٹر پٹر بولتی اور دوسروں کی بولتی بند کرتی اس کزن کو حیرت بھری دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جو اس لمحے قدرے پزل اور نروس ہو رہی تھی۔

”وہ...... میں...... ایکچوئلی میں معذرت کرنے ہی آئی تھی۔“

”چلو، کسی بہانے سے ہی سہی، تم آئیں تو......“ علی بھرپور ہنسی ہنس دیا۔

علی کو منانے کے لیے ذخیرۂ الفاظ میں سے لفظ منتخب کرتے ہوئے اس کے کانوں میں اچانک فانی کا کہا ہوا جملہ گونج اٹھا۔ ”مجھے روٹھے ہوؤں کو منانا نہیں آتا۔“ اور بے ساختہ اس نے وہی جملہ بول دیا۔

”علی...... مجھے روٹھے ہوئے لوگوں کو منانا نہیں آتا اور تم تو جانتے ہو نا مجھے ہر ایک کے ساتھ مذاق کرنے کی عادت ہے، مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس حد تک سیریس ہو جاؤ گے کہ آنا جانا ہی چھوڑ دو گے۔“

”یوں آنا جانا ٹھیک نہیں
میری جان زمانہ ٹھیک نہیں“

زین پاس سے گزرا تو گیٹ پار کرنے تک گنگناتا گیا۔ زین کی بہ آواز بلند گنگناہٹ سے اچھا خاصا محظوظ ہوتے ہوئے علی نے کہا۔

## غزل

سمندر میں اترتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
تیری آنکھوں کو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تمہارا نام پڑھنے کی اجازت چھن گئی جب سے
کوئی بھی لفظ پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تیری یادوں کی خوشبو کھڑکیوں میں رقص کرتی ہے
تیرے غم میں سلگتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

میں ہنس کے جھیل لیتا ہوں جدائی کی سبھی رسمیں
گلے جب اس کے لگتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

نہ جانے ہو گیا ہوں اس قدر حساس میں کب سے
کسی سے بات کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

وہ سب گزرے ہوئے لمحات مجھ کو یاد آتے ہیں
تمہارے خط جو پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

میں سارا دن بہت مصروف رہتا ہوں مگر جونہی
قدم چوکھٹ پہ رکھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

ہر ایک مفلس کے ماتھے پر الم کی داستانیں ہیں
کوئی چہرہ بھی پڑھتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

بڑے لوگوں کے اونچے، بدنما اور سرد محلوں کو
غریب آنکھوں سے تکتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

تیرے کوچے سے اب میرا تعلق واجبی سا ہے
مگر جب بھی گزرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ جاتی ہیں

مریم زارا خان...... مانسہرہ

''زویا...... کم آن یار، میں ناراض بالکل بھی نہیں تھا بس ان دنوں کچھ آفس کی مصروفیات تھیں، اس لیے آپ لوگوں کی طرف چکر نہیں لگا ورنہ تو ایسی کوئی بات نہیں اور ویسے بھی...... میرے آنے سے اور نہ آنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''ہاں، مجھے تو خیر کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔'' اس کی زبان ایک بار پھر سچ اگل گئی۔ ''ہاں مگر...... کچھ لوگوں نے تمہارے نہ آنے کو اچھا خاصا دل پر لیا ہوا ہے اور یونہی سارا وقت بے چین و مضطرب سے پھرتے ہیں۔'' اس نے فوراً اگلے پچھلے حساب بے باک کیے۔

''واقعی...... کیا...... کیا تم سچ کہہ رہی ہو زویا......؟'' علی کی آنکھیں ایک دم روشنیوں سے بھر گئیں اور زویا بہت حیرانی سے علی کو دیکھنے لگی جس کے وجیہہ چہرے پر اچانک بہاروں کے موسم اتر آئے تھے۔ گویا آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔

''سو فیصد سچ...!'' زویا نے شرارت سے نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں میں دباتے ہوئے کہا۔ ''نہیں یقین تو آجاؤ کسی روز اور اپنی آنکھوں سے بے قراریاں ملاحظہ کرنا۔''

''ضرور آؤں گا بلکہ اب تو آنا ہی پڑے گا۔'' وہ زیرِ لب مدھم سی ہنسی کی پھوار میں بھیگتا ہوا بولا۔

اتنے میں چائے کے ساتھ دیگر لوازمات لیے پھپھو اور زین بھی آگئے۔ چائے پیتے ہوئے بھی وہ بغور علی کی طرف دیکھتی رہی، مسکراہٹ جس کے ہونٹوں پر ٹھہر گئی تھی پھر وہ شام تک پھپھو سے باتیں کرتی رہی اور جب درختوں کی گھنیری شاخوں میں اتری شام نے رات کا چولا پہنا اور فضا میں تیرتے آخری پرندوں نے بھی گھر واپسی کا قصد کیا تو اس نے بھی گھر کی راہ لی۔

○○○

''محبت اندھی ہو سکتی ہے لیکن پڑوسی اندھے نہیں ہوتے۔'' زویا نے چہرے پر ابٹن لگاتے ہوئے صدف سے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکی یا شاید ان دنوں یعنی کہ محبت کے دنوں میں یوں ہی ہر ہر بات چونکا دیا کرتی ہے۔

''جانِ من...... یوں تو تمہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمہارے اور میرے درمیان کوئی راز نہیں، کوئی بات سیکرٹ نہیں پھر اتنی اہم بات تم نے مجھ سے کیوں چھپائی، کیا مجھ پر بھروسا نہیں ہے؟''

''پتا نہیں تم کون سی بات کر رہی ہو؟'' صدف ہنوز نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔ زویا اس کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی۔

''جو تمہارا حال ہے نا ڈیئر وہی اس کا بھی حال ہے۔ وہ کیا اچھا سا پڑوسیوں نے گیت گایا تھا جو تیرا حال ہے وہ میرا حال ہے...... حال سے حال ملا...... سجناں تال سے تال ملا......'' وہ گنگنانے لگی۔

''اتنے بے سُرے تال......؟'' صدف نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''ہاں، سُر سے سُر ملانے والے تو اب ایسے ہی کہیں گے...... خیر ہم پھر بھی دوستوں کے دوست ہیں۔ تم دونوں کے دل کی انتہائی خفیہ بات عنقریب بزرگوں تک پہنچا دی جائے گی۔'' صدف کے صبیح چہرے پر حیا آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس لمحے وہ بہت خوبصورت دکھنے لگی۔ زویا نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور چہرے پر پھیلے خوبصورت رنگوں کو۔

''کیا محبت اتنی خوبصورت ہوتی ہے......؟ اور انسان کو کیسا انوکھا روپ عطا کرتی ہے۔'' اس نے چپکے سے محبت بھرے ان رنگوں کے ہمیشہ سلامت رہنے کی دعا مانگ لی۔

○○○

''ہارون چاچو کی شادی ہو رہی ہے۔'' یہ خبر فانی کی زبانی سب بچہ پارٹی تک پہنچی تو سب ایک لمحے کو دنگ رہ گئے۔

''تم...... جھوٹ تو نہیں بول رہے فانی......؟'' زویا اس کی بات کا کیسے بھلا اعتبار کر لیتی۔

''تمہارے خیال میں، میں جھوٹا ہوں؟'' فانی غصے سے بھرا ہوا ایک دم پلٹا۔

''میرے خیال کی چھوڑو، اپنی بات کرو۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔

''اپنی بات بھی کروں گا، اک ذرا انتظار۔'' بہت دیر تک وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

''پاگل۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

''کب ہو رہی ہے ہارون چاچو کی شادی؟'' سب نے مل کر شور مچا دیا۔

''ابھی تو اس سنڈے کو وہ لوگ دیکھنے آرہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''ایسی کارروائیاں پہلے بھی کئی بار ہو چکی ہیں۔'' سب کے ارمانوں پر گویا اوس پڑ گئی۔

دادی جان نے سب کو الرٹ کر دیا، زویا اور صدف کے ذمے ڈھیروں کام انہوں نے اپنی نگرانی میں کرانے کے پلان بنائے۔ ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، لاؤنج، سیڑھیاں اور ڈرائیو وے تک انہوں نے سرف ڈال کر رگڑ رگڑ کر دھوئے، سیٹنگ بدلنے کے بعد سارا گھر چم چم کر رہا تھا۔ ہاں مگر صدف اور زویا کے حلیے سب کو ہنسنے پر مجبور کر رہے تھے۔ برآمدے کے پیچھے نل اکھیڑے سے چلا کر زویا وائپر سے فرش خشک کر رہی تھی۔ جب فانی سموسے سلفی اور دیگر اشیا سے لدا پھندا گیٹ سے اندر داخل ہوا تو زویا پر نگاہ پڑتے ہی اس کے ہونٹوں سے خود بخود ہنسی برآمد ہو گئی۔

''دادی جان...... زویا کے ہاتھ میں وائپر کتنا اچھا لگتا ہے ناں؟'' وہ لان کے بیچ و بیچ بیٹھی دادی جان سے بآوازِ بلند مخاطب ہوا۔ زویا نے فی الحال اسے صرف گھور کے دیکھنے پر ہی اکتفا کیا جبکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ وائپر اٹھا کر وہ فانی کے سر پر دے مارے۔

مہمانوں کی آمد کا سارا جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا کہ متوقع سسرال سے تو پوری فیملی کے علاوہ برادری کے لوگ بھی اٹھ کر آگئے تھے۔ دو عدد لڑکی کے بھائی، والدِ محترم، تین بیاہی بہنیں اپنے بچوں سمیت، دو بھابیاں، ایک پھپھی اور دو مری تائی جی...... شکر ہے والدہ حیات نہیں تھیں۔ ظاہر ہے یہ پھلجڑی زویا کے علاوہ کون چھوڑ سکتا تھا۔ ان کے تھیم تحیم تھل تھل کرتے جسم دیکھ کر ہی کھانے میں کوالٹی سے زیادہ کوانٹٹی کو مدنظر رکھا گیا۔

## خوشامد

کوّے کی چونچ میں گوشت کی بوٹی دیکھ کر بی لومڑی کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شاخ پر بیٹھا کوّا لومڑی کی پہنچ سے دور تھا چالاک لومڑی نے کوّے کی خوشامدی بھری تعریف کی کہ میاں کوّے تمہاری آواز بڑی سُریلی ہے ذرا گا کے تو دکھاؤ...... کوّے میاں بھول گئے اور لگے کائیں کائیں کرنے بوٹی اس کے منہ سے گری لومڑی کے منہ میں دبا یہ جا وہ جا...... میرا یہ بچپن کی پڑھی ہوئی خوشامد بھری کہانی لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ٹی وی پر کھانا ہو یا گانا، پکانے والے ہوں یا کھانے والے (چکھنے والے) جلوے دکھانے والے فیشن کا اشتہار، چمچہ چلانے والے ہوں یا صرف ڈن ڈنا ڈن بینڈ بجا بجا کر اپنے منہ میاں مٹھو بننے والے۔ ان کو ناظرین، قارئین، حاضرین سے صرف خوشامدی جملے، تعریفیں سن سن کر ہی خوشی سے باچھیں کھلا رہے ہوتے ہیں کسی کا سر مارے بڑھاپے کے رعشہ زدہ ہو جاتا ہے، کسی کا پھولا پیٹ تھل تھل پھڑ پھڑانے لگتا ہے اور کوئی تو ہر وقت اپنی ہی توصیف و تعریف میں میاں مٹھو ہے کھانے پکانے کا تو شو نہیں فیشن شو ہے۔ اف ماری ڈیزائنر کا پتا بھی پوچھا جاتا ہے، ڈیزائنر نے یوں بھی چار گرہ کپڑے کا بلاؤز اتنا نیچے تک کاٹا کہ جھریوں زدہ پوری کمر ننگی ہوتی ہے۔ جسے میں قدرے مہذب زبان میں عریاں کہوں گی۔ ارے خدا کا خوف کرو، روزِ قیامت جب کمر پر سنٹیاں (کوڑے) پڑیں گے پر وہ وقت کس نے دیکھا ہے...... خوفِ خدا تو نہیں خوفِ زمانہ ہی کرلو کہ لاحول پڑھنے کو جی کرتا ہے۔

تحریر: فریدہ افتخار، پشاور

مہمان بچوں نے وہ اودھم مچایا کہ دادی جان سمیت سب بدحواس ہو گئے۔ پورے گھر کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا اور کئی کرسٹل اور گلاس کے ڈیکوریشن پیس توڑ ڈالے۔ دادی جان کی بڑبڑاہٹوں اور زویا کی بے چارگی اور گھورتی نظروں کو خاطر میں لائے بغیر...... ان کی مائیں اپنے نونہالوں کے کارناموں پر مسرور نظر آ رہی تھیں یہاں تک بھی سب قابلِ قبول تھا مگر ستم تب ہوا جب اس رشتے کو نہ صرف منظوری کی سند ملی بلکہ شادی کی ڈیٹ تک فکس کر دی گئی۔ ہارون چاچو کی پسند اور خواہش پر اعتراض بھلا کیسے ہوتا۔

اس چٹ منگنی اور پٹ بیاہ پر بچہ پارٹی بہت ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔ یہ ان کے خاندان کی پہلی پہلی شادی تھی جس میں وہ بھرپور طریقے سے شرکت کرتے۔

"ہارون چاچو ان دنوں خاصے نرم ہو گئے ہیں، ابھی کل ہی کی بات ہے مجھ سے ذرا نرم لہجے میں بات کی تھی۔" زویا نے کہا۔

"اچھا، کیا بات کی تھی؟" فانی نے پوچھا۔

"پوچھ رہے تھے، آج کیا پکا ہے؟" زویا نے معصومیت سے بتایا تو فانی کے قہقہے چھوٹ گئے۔

سب لوگ شادی کی تیاریوں میں مصروف تھے اور خاصے جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ عائشہ اور صدف کو ویسے ہی بازار کے چکر لگانے کا کریز تھا اور اب تو ان کے پلانز کی ایک لمبی فہرست تھی۔

"کیا مصیبت ہے......؟" زویا بے زار سی تھی۔

"چاچو نے بالا ہی بالا لڑکی ڈھونڈ لی اور پسند بھی کر لی، کسی کو ہوا تک نہ لگنے دی پھر منگنی کی فضولیات میں پڑنے کے بجائے نکاح پر زور دیا۔ ہمیں تو تب خبر ہوئی جب پانی سر سے گزرنے والا تھا۔ اب بھی نہ بتاتے، نکاح والے روز ہی کہتے کہ سائن پہچان کے دکھاؤ اور بوجھو کہ کس کی شادی ہو رہی ہے۔" بقول فانی چاچو کی ڈاکٹری ہینڈ رائٹنگ وہ خود بھی نہیں پڑھ سکتے۔

"چٹ منگنی، پٹ بیاہ کا خاک مزہ آئے گا۔"

"جن کو آنا ہے نا ان کو آ ہی جائے گا، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" فانی کی بات پر وہ خاموش سی ہو گئی پھر شادی کی تیاریوں میں عائشہ اور صدف کا ساتھ دینے لگی۔ ان دونوں کی شاپنگ تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ مہندی، بارات، ولیمے کے لیے کئی کئی ڈریسز ان کے ساتھ میچنگ شوز، جیولری اور میک اپ کے انبار حالانکہ ایک مہنگے اور معروف پارلر میں بھی بکنگ کروا چکی تھیں۔

"تمہاری شاپنگ دیکھ کر تو لگتا ہے کہ تم دونوں کا بینڈ باجا بھی چاچو کے ساتھ ہی بجے گا۔" زویا نے انہیں چھیڑا۔

"کیا......؟" وہ دونوں چیخیں۔ "اتنے کم خرچ میں؟" اور زویا بیڈ پر رکھے اشیا کے ڈھیر کو دیکھ کر رہ گئی۔

○○○

بڑی پھپھو کی فیملی نے تو دو ہفتے قبل ہی ادھر ڈیرا ڈال لیا تھا اور شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لے رہے تھے جبکہ چھوٹی پھپھو بچوں کے ایگزامز کی وجہ سے شادی سے ایک ہفتہ قبل ہی آ سکی تھیں۔ اب گھر صحیح معنوں میں شادی والا گھر لگنے لگا تھا۔ ہلا گلا، رونق، افراتفری...... زویا ان ہنگاموں سے بچنے کے لیے زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہنے کو ترجیح دیتی مگر جب ڈھولک رکھی گئی تو اسے مجبوراً باہر آنا پڑا کیونکہ اس سے اچھی ڈھولک کوئی نہیں بجا سکتا تھا۔

مہندی کی رات ان کی درجنوں فرینڈز آ گئی تھیں جنہوں نے ڈھولک بجانے اور گیت گانے کا فریضہ سنبھال لیا۔ ویسے بھی ان تینوں سے تو اب بولا ہی نہیں جا رہا تھا، تمام ملکی و غیر ملکی گیت گا گا کے اب آواز نے بالآخر ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا وہ اشاروں کنایوں میں ہی ایک دوسرے کو مخاطب کر رہی تھیں۔ پھولوں کے گجرے پلیٹ میں سجائے زویا تیزی سے سیڑھیاں اتر رہی تھی جب سامنے سے آتے فانی سے بری طرح ٹکرا گئی، سب گجرے اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

"پتا نہیں کچھ لوگ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی ان کا استعمال کرنا ضروری کیوں نہیں سمجھتے۔" نیچے جھک کر گجرے اٹھاتے ہوئے وہ بولی۔ اپنی غلطی فوراً دوسرے کے کھاتے میں ڈال دینے کی یہ اس کی پرانی عادت تھی اور ادھر فانی نے اب جو ذرا غور سے اسے دیکھا تو دیکھتا رہ گیا۔ لائٹ گرین اور گولڈن ہاف سلیو شرٹ، چست پاجامے اور بڑے سے کامدار دوپٹے میں وہ بہت معصوم اور پیاری لگ رہی تھی۔ لشکارے مارتی ماتھے کی بندیا متوجہ کر رہی تھی اور ہمیشہ چوٹی کی صورت قید رہنے والے بال اپنی آزادی کا جشن مناتے ہوئے کمر کو چھو رہے تھے۔ وہ دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی اور خصوصی گجرے کی تیز خوشبو نے فانی کے حواس گم کر دیے تھے۔ پھول پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بھی جو تقریباً جھکا ہوا تھا ایک دم سیدھا ہو گیا۔

"اے...... ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" اس کا ہمیشہ کی طرح لٹھ مار انداز بھی اس سحر کو نہ توڑ سکا پھر بھی وہ بڑی دیر تک گم صم ساکت نظر سے اسے دیکھتا رہا۔

"آج تم سارے دنوں سے اچھی لگ رہی ہو زویا......" مدھم لہجہ سرگوشی میں ڈھل گیا۔ اس کی آواز کیسی اجنبی سی لگ رہی تھی اور صورت کے نقوش اور آنکھوں کا تاثر بھی...... وہ یونہی حالتِ سکتہ میں چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ یہ دیکھنے کے لیے ٹھہرا نہیں کہ زویا نے کیسے اسے گھور کے دیکھا ہے اور کتنے ہی ناقابلِ اشاعت الفاظ اس کی شان میں اس کے منہ سے نکلے ہیں۔

پھر شادی کی ہر رسم میں فانی کو اس نے اپنی جانب دیکھتے پایا تھا۔ اس کے دیکھنے پر وہ ایک جاندار سی مسکراہٹ اس کی طرف اچھال دیتا اور وہ جی بھر کے بدمزہ ہوتی جبکہ عائشہ اور صدف کو تو ڈریس چینج کرنے، میک اپ ری نیو کرنے، تصویریں اور مووی بنوانے سے ہی فرصت نہیں تھی۔ گارڈن جانے کے لیے جب بارات تیار ہوئی تو سب پہلے اپنی اپنی نشستیں سنبھالنے لگے۔

"کھانا کوئی نہیں ملتا وہاں، صرف ٹھنڈی بوتلیں ملیں گی، خوامخواہ میں تھکنے جاؤ گے تم لوگ۔" زویا نے بیٹھی بیٹھی آواز میں سب بچوں کو سمجھانا چاہا مگر اس کی آواز ایسے ہی دب گئی جیسے کسی نقار خانے میں طوطی کی آواز۔ سب لوگوں نے پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں۔ صدف اور عائشہ بھی کہیں نہ کہیں ٹھنس ہی گئیں۔

"میں نہیں جاتی، ایسے ہنگامے کے ساتھ۔" زویا کا موڈ سخت آف ہو گیا اور وہاں سے واک آؤٹ کر کے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"کسی کو میری پروا ہی نہیں ہے، میں فالتو اور بے کار جو ہوں، مجال ہے جو کسی نے مجھے پوچھا ہو یا میری غیر موجودگی کو محسوس کیا ہو۔" وہ جلتی بھنتی کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر کھڑکی سے باہر جھانکا تو سب لوگ جا چکے تھے۔ وسیع و عریض لان جو کچھ دیر قبل بقعۂ نور بنا ہوا تھا اب ویران ہو چکا تھا، خالی بوتلیں، مسلے ہوئے ٹشو پیپرز، پھٹے ہوئے غبارے اِدھر اُدھر بکھرے پڑے تھے۔ اس کا غصہ مزید بڑھ گیا اور آنکھوں میں آنسو آ گئے اور جب ٹھیک دس منٹ بعد دروازہ کھول کر فانی اندر داخل ہوا تو وہ ہڑبڑا سی گئی۔ وہ آتے ہی اس پر تقریباً برس پڑا۔

"یہ کیا حماقت ہے زویا، تم سے کم از کم ایسی غیر ذمے داری کی توقع نہیں تھی۔ میں آدھے راستے سے واپس آیا ہوں جب گاڑیاں سگنل پر رکیں تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ محترمہ غائب ہیں۔ میں نے فوراً وہیں سے گاڑی موڑ دی، بائی دا وے...... تم گئی کیوں نہیں تھیں؟"

"کسی کو میری کیا پروا ہے میں جاؤں یا نہیں......!" اس کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہو گئیں۔

"تم ہمیشہ غلط سوچتی ہو، غلط اندازے لگاتی ہو دوسروں کے بارے میں۔ دوسرے تمہارے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ کتنا سوچتے ہیں یہ جاننے کی تم نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔" وہ تاسف سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا چلو اب تو۔" اس سے پہلے کہ وہ انکار کرتی وہ اس کا ہاتھ تھام چکا تھا پھر اس کی نہ نہ کو بغیر کسی خاطر میں لائے وہ اسے گاڑی تک لایا تھا اور جب راستے میں علی اور وقار اس کی تلاش میں آتے ہوئے ملے تو اسے اپنی کچھ دیر قبل کہی باتوں پر ندامت محسوس ہوئی۔ کتنا غلط سوچا تھا اس نے کہ کسی کو میری پروا ہی نہیں ہے۔ فانی

شاید ٹھیک ہی کہتا ہے کہ میں ہمیشہ مس بی ہیو کر جاتی ہوں اس نے فانی کی طرف دیکھا اور جب اس کی ملامت کرتی آنکھوں میں بھی یہی بات نظر آئی تو اس کا سر مزید جھک گیا۔

نفیس اور اسمارٹ سی سارہ چچی دلہن بن کر بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ سب بچوں نے انہیں براہ راست پہلی مرتبہ دیکھا تھا، کچھ نے تصویر ملاحظہ کر رکھی تھی جبکہ باقی اس سے بھی محروم تھے۔ آتی ہوئی شادی جتنی پُرجوش اور ہنگامہ پرور ہوتی ہے گزر جانے کے بعد اتنی ہی تھکن زدہ، واپسی پر سب کا تھکن سے برا حال تھا سو جس کو جہاں جگہ ملی پڑ کے سو رہا۔

شادی کے بعد ہارون چاچو ایک دم بدل گئے۔ ان کے سنجیدہ و کرخت لہجے میں گویا شہد گھل گیا تھا۔ سنجیدگی کا لبادہ یکسر اتر گیا اور چہرے پر ایک دائمی مسکراہٹ ٹھہر گئی بلکہ اب تو وہ اکثر ہلکا پھلکا قہقہہ لگانے سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔

''پوری دنیا میں انقلاب آیا لیکن اللہ جھوٹ نہ بلوائے ایسا انقلاب کہیں نہیں آیا ہوگا جو چاچو کی بے رنگ زندگی میں آیا ہے۔ جب بغیر ڈانٹے دھیرے دھیرے دھیمے اور مدھم لہجے میں بات کرتے ہیں تو یقین کرو تم لوگ، میں تو بے ہوش ہوتے ہوتے رہ جاتی ہوں۔'' یہ زویا کے ذاتی تبصرے تھے۔

انہی دنوں علی اور صدف کے بارے میں بزرگوں میں کوئی بات طے ہوگئی تھی گویا باہمی رضامندی سے زبانی کلامی ہاں ہوگئی۔ اسی لیے تو پھپو کی فیملی سے اب صدف کو خصوصی پروٹوکول مل رہا تھا۔ پھپو آتے جاتے صدف کو کافی دیر تک اپنے ساتھ لپٹائے رکھتیں اور اس کے ماتھے پر خصوصی بوسہ دیتیں اور جب پاس سے گزرتی زویا شرارت سے کھنکھار کر ایک آنکھ کا کونا دباتی تو صدف شرما جاتی۔

ہنی مون پیریڈ کا ڈیڑھ ماہ گزرنے کے بعد بھی سارہ چچی نے دلہن بنے رہنے اور اپنے کمرے میں بند رہنے کو ترجیح دی بس کبھی کبھار ہی نظر آتیں۔ کھانا، ناشتا سب اپنے کمرے میں ہی منگوالیا جاتا کہ بقول ان کے انہیں سب کے ساتھ مل بیٹھ کے کھانے کی عادت نہیں تھی۔ کھانے کے مینو میں آج کل ان کی پسند کی چیزیں زیادہ پکنے لگی تھیں۔

''بڑے عیش ہیں بھئی۔'' زویا کہتی۔ ''میں تو خود اپنی سسرال میں ایسے ہی عیش سے رہوں گی۔''

''اور جوتے کھاؤں گی۔'' صدف ہنس کر ٹکڑا لگاتی۔



موسم بدل رہا تھا۔ باہر صحن یا برآمدوں میں ہلکی سی گرمی کا احساس ہوتا تو بند کمروں میں سردی محسوس ہوتی۔ زویا لان کے کونے میں انار کے چھدرے سائے میں بیٹھی بڑی دیر سے علیم الحق حقی کا عشق کا شین پڑھ رہی تھی۔

''زویا نماز پڑھ لو، عصر کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔'' دادی جان نے کوئی تیسری دفعہ پکارا مگر وہ ہر دفعہ سنی ان سنی کر دیتی کہ کہانی کا کلائمکس بس ہوا ہی چاہتا تھا پھر اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کب اندھیرا درختوں کی گھنیری شاخوں پر اتر آیا تھا، شام نے رات کی سیاہ آنچل اوڑھ لی۔ دادی جان بلند آواز میں بول رہی تھیں۔

''ہزار دفعہ منع کیا ہے میں نے کہ شام کو درختوں کے نیچے نہ بیٹھا کرو مگر میری سنتا کون ہے بھلا..... یہ موٹی موٹی کتابوں میں جانے ایسی کیا بات ہے کہ جب پڑھنے بیٹھتی ہیں تو کانوں میں روئی ٹھونس کر اردگرد سے لاتعلق و بے گانہ ہو جاتی ہیں۔ نماز پڑھتے ہوئے ان کو تکلیف ہوتی ہے گویا نماز فرض نہیں، یہ کتابیں فرض ہیں۔'' زویا فوراً کتاب بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی اور مغرب کے لیے وضو کرنے چل دی۔

انہی دنوں یہ خبر سب کو ساکت و ششدر کر گئی کہ ہارون چاچو الگ گھر لے کر رہنا چاہتے ہیں اور ظاہر ہے یہ فیصلہ ان کی نئی نویلی بیگم کا ہی ہوسکتا تھا۔ سب لوگ یوں حیران، پریشان ہوگئے جیسے انہوں نے کوئی بہت انہونی، انوکھی، ناقابلِ یقین اور ناقابلِ عمل فرمائش کر ڈالی ہے اور اس طرح کی فرمائش کرنے والے دنیا میں پہلے اور واحد انسان گویا وہی ہوں۔



''ہاں تو ٹھیک ہے، ان کی اپنی زندگی ہے وہ اپنی زندگی کو جس طرح چاہیں جیسے مرضی گزاریں، اس میں اعتراض کرنے والی کون سی بات ہے بھلا......؟'' زویا نے کہا۔ اسے ان سب کی حیرت پر حیرت ہو رہی تھی۔

''دادی جان ایسا کرنے دیں گی؟'' صدف نے کہا۔

''کیوں نہیں، وہ لوگ اسی ملک میں رہیں گے، کوئی سات سمندر پار تھوڑی جا رہے ہیں۔ اسی شہر میں تو الگ گھر لے کر کہیں رہنے کی بات کی ہے پھر اعتراض کیوں۔..... جبکہ وہ افورڈ کر سکتے ہیں۔'' بہت دنوں تک گھر کی فضا بوجھل اور ناخوشگوار رہی۔

جیت بالآخر دادی جان کی ہوئی کہ ان کی زندگی میں تو اس گھر کی، کاروبار کی یا افراد کی تقسیم ممکن نہیں تھی۔ زویا کو جانے کیوں دکھ بھری مایوسی ہوئی۔ کیا تھا اگر چاچو کی بات مان لی جاتی۔



''یہ تم کیا کہہ رہی ہو عائشہ؟'' اسے لگا جیسے اسے سننے میں یا پھر سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے جو کچھ ان کے کانوں نے سنا وہ صحیح نہیں تھا جو سنایا گیا، سنا گیا یا سمجھا گیا، غلط تھا..... سمتھنگ رانگ۔

عائشہ نے بتایا تھا کہ زویا اور فانی کے بارے میں بزرگ عنقریب ہی کوئی مثبت فیصلہ کرنے والے ہیں۔ مثبت یا منفی کا مفہوم جانے کیا تھا بہرحال یہ سن کر زویا کئی لمحوں تک دنگ رہی اس سے کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے بھلا......؟''

''کیوں...... کیوں ممکن نہیں ہے؟'' عائشہ چونکی۔ ''زویا میں تو سمجھتی تھی کہ تم اور فانی ایک دوسرے کو پسند کرتی ہو۔'' زویا کچھ نہ بولی۔

''فانی میں کچھ کمی ہے کیا؟''

''جی نہیں، کچھ زیادتی ہی ہوگی۔'' زویا چڑ گئی۔

''فانی تمہیں پسند کرتا ہے زویا اور یہ سو فیصد فانی کی خواہش پر ہی تو..... تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے یار؟''

''سمپل سی بات ہے عائشہ، مجھے جوائنٹ فیملی سسٹم پسند نہیں ہے اور فانی کو قبول کرنے کا مطلب ہے کہ جوائنٹ فیملی سسٹم کو بھی تمام خوبیوں اور خامیوں سمیت قبول کرلوں جبکہ مجھ میں اتنی جتنا حوصلہ ہے اور نہ ہی برداشت کہ میں تمام عمر اسی گھر میں رہ کے اتنے سارے لوگوں کے ناز نخرے اٹھاتی رہوں۔ سوری، مجھ میں اتنا اسٹیمنا ہی نہیں ہے۔''

''فانی تمہیں پسند کرتا ہے، زویا!'' عائشہ نے ایک بار پھر یاد دہانی کرائی۔

''میں بھی اسے ناپسند نہیں کرتی۔'' زویا نے جواب دیا تو عائشہ خاموش سی ہوگئی۔



وہ کالج سے لوٹی تو سیدھی لان کی طرف بڑھ گئی جہاں فانی سیاہ شرٹ کی آستینیں فولڈ کیے پائپ سے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ فانی اسے دیکھ کر بھی نظر انداز کر گیا۔ اس نے دو ایک بار متوجہ بھی کیا مگر وہ ہنوز مصروف رہا۔

''یا اللہ خیر، آج پودوں کی شامت آئی ہوئی ہے۔'' اس نے کہا۔ فانی پھر بھی کچھ نہیں بولا اور جب فانی کے مسلسل نظر انداز کرنے پر ذرا غور سے اسے دیکھا تو وہ اسے قدرے بدلا بدلا دکھائی دیا۔ تکلیے لباس اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ خاصا اداس بھی۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی اور سینے پر ہاتھ لپیٹے از سرِنو فانی کا جائزہ لینے لگی۔

''کیا بات ہے فانی..... آج بڑے چپ چپ ہو خلافِ معمول؟'' اس نے پوچھا مگر اس نے اب کے بھی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔ زویا کو اس کی اس جامد چپ نے حقیقتاً پریشان کر دیا تھا۔ اسے ہنسانے ہنسنے والا، چٹکلے اور لطیفے سنا کر محفل لوٹ لینے والا، خوش باش اور ریڈی میڈ پرسنالٹی کا مالک یہ کزن پسند تھا جو کئی دنوں سے چپ کا چولا اوڑھے پھر رہا تھا اور اس کی گہری اداسی بھری یہ چپ زویا کو اپنی جگہ چور سا بنا رہی تھی۔ ان کے بیچ ایسی اجنبیت کی گہری میں لپٹی چپ تو کبھی نہیں آئی تھی۔

''ایک بات بتاؤں تمہیں فانی جو تمہیں شاید کسی نے نہیں بتائی کہ اس گیٹ اپ میں تم بالکل اداس الو لگ رہے ہو۔'' وہ بے ساختہ ہنس دی۔ وہ پائپ کیاری میں

ڈال کر ایک دم پلٹا اور ٹھنڈے ٹھار لہجے میں بولا۔

"اور ایک بات میں بھی تمہیں بتاؤں کہ میں کسی بھی گیٹ اپ میں کیسا ہی لگوں، کیسا ہی نظر آؤں، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے زویا بی بی......!" وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر کی طرف بڑھ گیا اور زویا حیران نظروں سے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی پھر جانے کہاں سے آئے آنسوؤں نے آنکھوں پر دھند کی چادر تان دی۔

٭٭٭

میں آج سے ترے خیال سوچوں
کوئی بے ارادہ کتاب لکھوں
میری طبیعت پر منحصر ہے
میں جس طرح کا نصاب لکھوں
یہ میرے اپنے مزاج پر ہے
عذاب سوچوں، ثواب لکھوں
طویل تر ہے سفر تمہیں کیا
میں جی رہا ہوں مگر تمہیں کیا
مگر تمہیں کیا کہ تم تو کب سے
میرے ارادے گنوا چکے ہو
جلا کے سارے حروف اپنے
میری دعائیں بجھا چکے ہو
میں رات اوڑھوں کہ صبح پہنوں
تم اپنی رسمیں اٹھا چکے ہو
یہ دل تو حد سے گزر چکا ہے
خزاں کا موسم ٹھہر چکا ہے

صدف، فانی کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اور زویا فانی کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی کتابوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی کہ وہ اپنی چیزوں کے بارے میں بہت پوزیسو تھا، ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتا۔ معاوصی شاہ کی "صرف میرے ہو کے رہو" سے ایک تہ شدہ پیپر برآمد ہوا جس پر فانی کی صاف ستھری ہینڈ رائٹنگ میں یہ نظم درج تھی اس نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ کاغذ پر ڈالتے ہوئے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔

"تم اتنے مایوس کیوں ہو فانی ....؟" اگلے روز وہی پیپر زویا اس کے سامنے پھیلاتے ہوئے اس کے روبرو تھی۔

"یہ...... یہ تم نے کہاں سے لیا ہے؟" وہ غضبناک نگاہوں سے اس کو گھور رہا تھا۔

"جہاں یہ تم نے رکھا تھا وہیں سے۔ ویسے ذرا ایک بات تو بتاؤ، تمہاری محبت میں اتنی بے یقینی کیوں ہے؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"کون سی محبت ...... مجھے کوئی محبت وحبت نہیں ہے۔" وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے اچکتے ہوئے بولا۔

"محبت کرنے والوں کے ساتھ ایک یہ بڑی ٹریجڈی ہے وہ اگر چاہیں بھی تو کم از کم محبت کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے، ان کی آنکھیں گواہی دے جاتی ہیں۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو زویا...... کوئی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق، حور یا پری، کیا چیز ہو تم؟" ہلکی ہلکی آنچ سے سلگتا اس کا مدھم لہجہ زویا کو مختلط کر رہا تھا۔ ذرا توقف کے بعد وہ بولی۔

"اگر ہم کسی سے محبت کرتے ہوں فانی تو ہمیں اپنے دل کی ہر بات پوری سچائی کے ساتھ مقابل کو بتا دینی چاہیے کہ اب وہ زمانہ ہی نہیں رہا اور نہ ہی کسی کے پاس اتنا فالتو وقت ہے کہ وہ دوسروں کی آنکھوں میں اپنا عکس ڈھونڈتا پھرے، اپنی محبت تلاش کرتا پھرے۔" وہ بہت سہولت و آسانی سے سب کہہ رہی تھی۔ "اور سنو شہباز تمہیں مٹا دینے سے محبت نہیں مٹ جاتی۔" وہ دیکھ چکی تھی کہ فانی اس پیپر کے پرزے کر کے ڈسٹ بن کے حوالے کر چکا تھا۔ بڑی دیر تک وہ اس کی صورت کے نقوش میں پنہاں جانے کون سی بات ڈھونڈتا رہا پھر بولا۔

"محبت کے کھو جانے کا اتنا غم نہیں ہوتا۔ بچھڑ جانے کا ماتم اس قدر نہیں ہوتا مگر ٹھکرائے جانے، رد کیے جانے کا احساس آدمی کو جیتے جی مار دیتا ہے۔"

"جس سے محبت کرتے ہو اس پر تمہیں بھروسہ نہیں ہے شاید ...... جبکہ محبت میں تو یقین پہلی شرط ہے۔" زویا نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"بات بھروسے کی نہیں ہے۔" ایک سرد آہ بھرتے ہوئے وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا اور لان میں ہوا سے جھولتے پیڑوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ ان راستوں پر سفر کر کے منزل پر پہنچنا چاہتی ہے جن پر صرف دو افراد کے نقش قدم ملتے ہو مگر یہ دنیا ہے زویا اور ہم سب رشتوں کی مضبوط ڈوریوں میں بندھے اور جکڑے ہوئے ہیں۔ رشتے ہماری بقا کے لیے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے زندگی کے لیے سانسیں...... ہم محبت کے بغیر تو شاید جی لیں لیکن رشتوں کے بغیر نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور جب بہت دیر تک کچھ نہ بولا تو زویا کو وہاں ٹھہرنا فضول لگا۔

٭٭٭

"کیا...؟" وہ چیخ پڑا۔ "کوئی بم تھا جو فانی کے کانوں کے بہت قریب بلاسٹ ہوا تھا۔ زویا اس رشتے کے لیے مان گئی ہے۔ اسے اپنی سماعتوں کا دھوکا لگی یہ بات...... گویا اسے اس کا ساتھ منظور تھا، عمر بھر کا ساتھ۔ مگر...... سلگتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کڑے تیور لیے وہ زویا کے روبرو جا کھڑا ہوا۔

"بہت ہمدرد اور خدا ترس لڑکی ہو تم، یہی ثابت کرنا چاہتی ہو تم......؟" اس کی آواز قدرے بلند تھی۔

"مجھے یہ ثابت کرنے کی ضرورت کیا ہے جبکہ مجھ میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں۔" بے حد آرام سے کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی کہ فانی ایک دم اس کے راستے میں آ گیا۔

"تمہیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ ہمدردی کے جذبے سے مغلوب ہو کر یا مجھ پر ترس کھا کر میرے زندگی بھر کے ساتھ کو قبول کرو جبکہ تم ایسا چاہتی ہی نہیں ہو۔" وہ ہنس دی، بڑی جاندار سی ہنسی، زندگی سے بھرپور۔

"مجھے بھیک کی صورت تمہارا عمر بھر کا ساتھ نہیں چاہیے۔" بے حد ٹھنڈے لہجے میں کہتا وہ وہاں سے جانے لگا جب زویا کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"میں ایک بات کی، صرف ایک بات کی

وضاحت کرنا چاہوں گی عثمان صدیقی کہ میں زویا علی کسی جبر، تسلط، مجبوری یا ہمدردی میں فیصلے نہیں کرتی اور یہ فیصلہ بھی میں نے دل سے اور اپنے دل کی خوشی کے لیے کیا ہے۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں اور فانی دیر تک اس کے طرز تخاطب، لہجے، الفاظ اور الفاظ میں پوشیدہ معنی و مفہوم پر غور کرتا رہا اور پھر آسودگی سے مسکرا دیا۔

صدف اور عائشہ پر بھی سکتے کی کیفیت طاری تھی، انہیں زویا کی دماغی صحت پر شبہ ہونے لگا۔ "یعنی...... یعنی تم نے فانی کو قبول کرلیا زویا وہ بھی جوائنٹ فیملی سسٹم سمیت اور یہ سسٹم تمام خوبیوں، خامیوں سمیت اور تمہارے وہ بلند و بالا دلائل و دعوے اور اس بقول تمہارے فرسودہ ناقابلِ قبول سسٹم کے خلاف نان اسٹاپ تقریریں، وہ کیا ہوئیں...؟"

"محبت اور جنگ میں سب جائز ہے!" وہ دلکشی سے مسکرادی۔

"ہائیں... محبت؟" انہوں نے اپنی چیخ بہ مشکل روکی تھی۔

○○○

"ڈیئر ڈائری...!

میں گزشتہ کئی گھنٹوں سے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے ڈائری گود میں رکھے اور قلم دانتوں میں دبائے بیٹھی ہوں اور جانے کیا کچھ لکھنے کی خواہش میں ایک لفظ بھی نہیں لکھ پائی۔ ہوتی ہیں نا کچھ ایسی باتیں... ایسی ناقابلِ بیان، ناقابلِ فہم، مبہم سی باتیں ان کہی باتیں — جو آدمی کسی سے بھی شیئر نہیں کرسکتا حتیٰ کہ ڈائری سے بھی...

جیت جانے کی خواہش میں انسان بہت دفعہ ہار جاتا ہے۔ جیسے میں ہار گئی...... اپنے دلائل، اپنے خواب، اپنی خواہشیں کہ ان سب سے بڑھ کر اہم اور قیمتی ہمارے لیے ہمارے رشتے ہوتے ہیں اور یہ رشتے ہی ہوتے ہیں جو ہماری زندگی کی آخری سانس تک ہم سے ہمارے ہونے کا خراج وصول کرتے ہیں۔ ہم پھر بھی ان کو عضوِ معطل کی طرح پھینک نہیں سکتے۔ جب میں نے فانی کے رشتے سے انکار کیا تو سب لوگ کیسے حق دق رہ گئے تھے اور دادی جان جو مجھ سے ہمیشہ ناخوش رہا کرتی تھیں اب کے تو بالکل ہی قطع تعلق کرلیا... پھر امی، ابو سمیت دیگر گھر والوں کے خاموش اور روٹھے روٹھے سے روپ بھی بہت تکلیف دے رہے تھے اور ناقابلِ برداشت ہو رہے تھے۔ فانی سب کے لیے راتوں رات کتنا اہم، ضروری اور بڑھ کے ہوگیا تھا اور بے حد و حساب خوبیوں کا مالک بھی۔

پھر میں نے وہی کیا جو میرے جیسی کسی بھی لڑکی کو کرنا چاہیے تھا۔ میری ایک ذرا سی ہاں نے پورے گھر کو خوش، مطمئن اور مسرور کردیا تھا لیکن فانی بے حد متفکر، شاکی سا میرے پاس چلا آیا۔

میں اسے کیا بتاتی کہ زویا علی کو محبت تو کبھی ہوئی ہی نہیں ہے۔ بیل اگرچہ ہمیشہ اپنی قریبی دیوار سے ہی لپٹتی ہے تو مجھے اگر محبت ہوتی تو یقیناً فانی سے ہی ہونا تھی کہ وہ آئیڈیل خوبیوں کا مالک تھا اور ظاہری خدوخال میں بھی نمایاں و ممتاز اور خاندان کا سب سے ہونہار لڑکا۔ میں اسے کیسے بتاتی کہ مجھے اگر محبت ہوتی تو تم سے ہی ہونا تھی اور پھر اس روز تو میں حیران و ششدر رہ گئی۔ کیا خواب یوں بھی پورے ہوتے ہیں؟

یہ کسی کی دعاؤں کا صلہ تھا، کسی کا دل نہ توڑنے کا اجر تھا یا کوئی اور وجہ تھی۔ یہ اتفاق ہی تھا جو فون میں نے ریسیو کیا اور یہ سن کر کئی لمحوں تک دنگ رہ گئی کہ فانی نے جو سی ایس ایس کا امتحان کلیئر کیا تھا تو اسے سول سروسز کے لیے سلیکٹ کرلیا گیا ہے اور جلد ہی کنٹری سائیڈ کے لیے اس کے پوسٹنگ آرڈرز آنے والے ہیں۔ یہ کال سول سروسز ڈپارٹمنٹ سے آئی تھی۔ جب حواس کچھ بحال ہوئے تب مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کتنی بڑی خوشی کی بات ہے اور اس خوشی سے میری کتنی خواہشیں اور ادھورے خواب وابستہ ہیں، میرا دیرینہ خواب— جوائنٹ فیملی سسٹم سے نجات اور شکر ہے مجھے میرے خواب سے دستبردار نہیں ہونا پڑا اور محبت سے بھی۔ خواب سلامت رہا اور محبت بھی مل گئی، ہے نا خوشی کی بات...!"

○○